بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَ كَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(ترجمہ از بیان القرآن) سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو اس گھٹن سے نجات دی اور ہم اسی طرح (اور) ایمان والوں کو (بھی کرب و بلا سے) نجات دیا کرتے ہیں (الانبیاء آیت نمبر ۸۸)

ماھنامہ

راہِ نجات

بارھمولہ کشمیر

جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۴ بابت ماہِ اپریل ۲۰۱۲ء

سرپرست

عاصیؔ غلام نبی وانی

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر، اونر

منیر احمد وانی

خصوصی شمارہ
مرید ہندیؒ

PAGES 64 EXCLUDING TITLE COVER

اس شمارے میں

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر
۱	اداریہ	مدیر	۳
۲	مرید ہندی	عاصیؔ غلام نبی وانی	۵
۳	مولانا ابوالحسن کی اقبال شناسی-نقوشِ اقبال کی نظر میں	ڈاکٹر فیض احمد فیاضؔ	۴۴
۴	علامہ اقبال کا تصورِ تاریخ	ڈاکٹر مشتاق احمد گنائی	۵۰
۵	نئی صدی میں شاعر مشرق کی معنویت	پروفیسر بشیر احمد نحوی	۵۲
۶	شرعی و فقہی اصطلاحات کی وضاحت سوال و جواب کی روشنی میں	عاصیؔ غلام نبی وانی	۵۶
۷	بزرگانِ دین سے محبت اور استفادے کی شرعی حیثیت	ڈاکٹر نذیر احمد زرگر	۵۹
۸	درس مثنوی-قارئین کے لئے ایک خوشخبری	مدیر	۶۲
۹	آپکے مکتوبات بنامِ راہِ نجات	عباس صاحب	۶۴

(نوٹ) مدیر کا کسی بھی مقالہ نگار کی ہر بات سے متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ

راہ نجات کا چوتھا شمارہ شائع ہونے پر میں اپنے رب کریم کا شکر بجالاتا ہوں۔۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبالؒ (جو خود کو مرید ہندی کہنا پسند کرتے تھے اور مولانا روم کو اپنا پیر و مرشد تسلیم کر کے پیر رومی کے میٹھے نام سے یاد کرتے تھے) اس دنیا سے تشریف لے چلے۔اس لحاظ سے اپریل کا مہینہ ادبی اور ثقافتی حلقوں میں خاصا اہمیت کا حامل رہتا ہے اور عاشقانِ اقبال بھرپور طریقے سے علامہ کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔تاریخ کے اوراق کا مطالعہ کرنے کے بعد پتا چلتا ہے کہ جس طرح مولانا روم کا کلام اپنے دور کا علم کلام تھا اسی طرح علامہ اقبال کا کلام بھی موجودہ دور کا علم کلام ہے۔کیونکہ علامہ نے عقلی و نقلی دلائل سے اسلام کی حمایت میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔

یہ حسنِ اتفاق کی بات ہے کہ ہم نے مارچ کے شمارے کو پیر رومی کے خوبصورت عنوان کے ساتھ شائع کیا تو **جمعیتِ حمایت اسلام** سرینگر والوں نے کشمیر یونیورسٹی کے گاندھی میموریل حال میں ''**عصر حاضر میں تعلیمات رومیؒ کی افادیت**'' کے عنوان کے تحت کشمیر کے دانشوروں کو اپنے مقالے پڑھ کر سنانے کی دعوت دی تھی۔ڈاکٹر فیض احمد فیاضؔ صاحب اور پروفیسر بشیر احمد نحوی صاحب کی خواہش پر والد صاحب نے بھی اس میں مورخہ ۲۱ اپریل ۲۰۱۲ء کو شرکت کی اور کچھ چالیس نسخے اپنے ساتھ لیکر ذمہ دارانِ سمینار کو پیش کیئے تاکہ وہ بطور ہدیہ کے پیر رومی کے عاشقوں میں مفت تقسیم کریں جو اپنی علمی بزرگی کے لحاظ سے اس کے اولین مستحق ہیں۔ذمہ دارانِ سمینار نے والد صاحب کو اسٹیج پر بولنے کی دعوت بھی دی اور انہوں نے مذکورہ عنوان کے تحت اپنے خیالات کا اظہار کیا اور پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت کانفرنس ہال میں اعلان کیا کہ پیر رومی کے بعد اپریل کے مہینے میں مرید ہندی کا خصوصی شمارہ شائع کیا جائے گا۔الحمدللہ اب یہ شمارہ ایک حقیقت بن کر آپ کے ہاتھوں کی زینت بنا ہوا ہے۔

یہ شمارہ پڑھ کر آپ کو محسوس ہوگا کہ علامہ اقبال ایک سچا پکا مسلمان تھا۔اور ان کا پیغام بھی یہی ہے کہ مسلمان اپنی تاریخ کو نہ بھول ڈالیں اور ماضی کی روشنی میں اپنے مستقبل کو تابناک بنانے کی

کوشش کریں۔انہوں نے اپنے وصیت نامہ صاف صاف لکھا ہے کہ ''میں عقاید دینی میں سلف کا پیرو ہوں۔نظری اعتبار سے فقہی معاملات میں غیر مقلد ہوں۔علمی اعتبار سے امام ابوحنیفہؒ کا مقلد ہوں۔'' یہاں پر اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ یہ جو علامہ اقبالؒ نے لکھا ہے کہ نظری اعتبار سے غیر مقلد ہوں۔اور علمی اعتبار سے امام ابوحنیفہؒ کا مقلد ہوں اس کا مطلب یہی ہے کہ میں کوئی تنگ نظر آدمی نہیں ہوں کہ دیگر ائمہ نے جو کچھ لکھا ہے اس کی طرف نہ دیکھوں اور اس طرح تنگ نظری کا ثبوت دے دوں۔فراخ دلی کے ساتھ سب کا مطالعہ کرتا ہوں لیکن اپنی تحقیق کے مطابق علمی اعتبار سے امام ابوحنیفہؒ کا مقلد ہوں۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلاف کی کتنی بڑی محبت ان کے دل میں تھی۔اور وہ کس رنگ میں مسلمانوں کو دیکھنا چاہتے تھے۔دعا ہے کہ اللہ تعالٰی اس شمارے کو بھی اپنی قبولیت سے نواز دے۔آمین

مدیر

مقامِ اقبال کیا ہے؟

مولانا الیاسؒ کا ایک کشف

ایک دفعہ مولانا الیاس ظہیر الحسن صاحب کاندھلوی کے مکان پر تشریف فرما تھے۔رات کے ایک دو بجے مولانا پر کشف کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ظہیر الحسن کو آواز دے کر اٹھایا۔فرمایا! میاں ظہیر الحسن تمہیں معلوم ہے کہ اقبالؒ کا مقام کیا ہے؟ میں نے عرض کیا حضرت! میں ایک بندۂ عاصی و خاطی ان امورِ غیبی کی نسبت کیا کہہ سکتا ہوں۔اس پر فرمایا۔اقبال نے وفات سے چند روز پہلے اللہ جل شانہٗ کو مخاطب کر کے یہ رُباعی کہی تھی۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر ☆ روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
گر حسابم را تو بینی ناگزیر ☆ از نگاہِ مصطفٰے پنہاں بگیر

(ترجمہ) اے اللہ تو دونوں جہاں سے بے نیاز ہے اور میں فقیر ہوں۔قیامت کے دن میرے اعذار (جمع عذر کا) قبول فرما۔اگر میرے حساب کو ناگزیر گردانے گا تو کم از کم حضورﷺ کی نگاہوں سے چھپا کر میرا حساب لیجئے۔

اس رباعی میں آخری مصرعہ اقبالؒ نے کس سوز و گدازِ قلب سے کہا ہے کہ رحمت خداوندی کو جوش آ گیا اور اس نے اپنی آغوش میں لئے اقبال کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً۔بحوالۂ رسالۂ الاولیاء سرینگر اپریل ۱۹۷۸ء

مُرید ہندی

عاصی غلام نبی وانی (ایم۔اے عربی فارسی کشمیر یونیورسٹی)

علامہ اقبالؒ کا خاندانی پس منظر

تاریخ اقوام کشمیر میں محمد الدین فوق صاحب علامہ اقبالؒ کے خاندانی پس منظر کے متعلق لکھتے ہیں ”پنجاب میں سپرُ وگوت (سپرُ وخاندان) کے چند ہندو مسلمان خاندان مشہور ہیں۔مسلمانوں میں علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ کا خاندان بہت مشہور ہے۔ان کا جدِاعلیٰ قریباً دوسوسال ہوئے (عالمگیر کے زمانہ میں) مسلمان ہوگئے تھے“۔

سپرُ وگوت کے متعلق فوقؔ کی تحقیق

بڈشاہ پادشاہِ کشمیرؒ کے عہد سے پیشتر کشمیر کے ہندو مسلمانوں کو اوران کی زبان کو اجنبی زبان اور اجنبی حکومت سمجھتے رہے۔لیکن جب بڈشاہ نے پادشاہ ہوکران کو خاص مراعات عطا کیں اور نظم ونسقِ سلطنت میں شامل کرنے کے لئے فارسی پڑھنے پر جو اس وقت کشمیر کی سرکاری زبان تھی ان کو مجبور کیا۔تو برہمنوں کے جس گروہ نے سب سے پہلے فارسی علم میں مہارتِ تامّہ حاصل کی۔وہ سپرُ وکہلایا۔کشمیر میں اب بھی پڑھنے کو ”پَرنا“ کہتے ہیں۔سپر کا مطلب یہ بتایا جاتا ہے کہ اس نے سب کچھ پڑھ لیا ہے۔سپرُ و کے معنی یہ بتائے جاتے ہیں کہ وہ لڑکا جو چھوٹی عمر میں بڑوں کی سی ذہانت دکھائے۔کشمیر میں قریباً ہر (**Nick name**) یا آل واؤ پر ختم ہوتی ہے جیسے کچلو،مٹو،وانٹو،نہرو۔اسی طرح سپر بھی سپرُ و مشہور ہوگیا۔

آگے چل کر فوقؔ صاحب لکھتے ہیں کہ:

”میں نے اس لفظ کی مزید تحقیق کے لئے ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی۔بیرسٹرایٹ لاء کو ایک خط لکھا۔انہوں نے جواب میں جو کچھ اِرقام فرمایا۔اس سے بھی مندرجہ صدر بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔کشمیری برہمنوں کی جو گوت (ذات) سپرُ و ہے۔اس کے اصل کے متعلق میں نے جو کچھ والد مرحوم سے سنا تھا۔عرض کرتا ہوں۔”جب مسلمانوں کا کشمیر میں دور دورہ ہوا۔تو براہمۂ کشمیر مسلمانوں

کے علوم وزبان کی طرف قدامت پرستی یا کسی اور وجہ کے باعث توجہ نہ کرتے تھے۔اس لئے جس گروہ نے سب سے پہلے فارسی زبان وغیرہ کی طرف توجہ کی اور اس میں امتیاز حاصل کر کے حکومت اسلامیہ کا اعتماد حاصل کیا وہ سپرُ وکہلایا۔اس لفظ کے معنیٰ ہیں وہ شخص جو سب سے پہلے پڑھنا شروع کرے۔”**س**“ تقدم کے لئے کئی زبانوں میں آتا ہے اور ”پرُ“ کا روٹ (Root) وہی ہے جو ہمارے مصدر ”پڑھنا“ کا ہے۔والد مرحوم کہتے تھے کہ یہ نام کشمیر کے برہمنوں نے اپنے ان بھائی بندوں کو ازراہِ تعریض (اعتراض) وتحقیر دیا تھا جنہوں نے قدیم رسوم وتعصّبات قومی ومذہبی کو چھوڑ کر سب سے پہلے اسلامی زبان وعلوم کو سیکھنا شروع کیا تھا جو رفتہ رفتہ ایک مستقل گوت (خاندان۔فرقہ) ہوکر مشہور ہوگیا۔

سپرو گوت کی وجہ کے متعلق ایک نئی بات بھی ڈاکٹر صاحب کے خط سے معلوم ہوئی ہے جس کا غالباً کشمیر میں بھی کسی کو علم نہ ہوگا۔آپ فرماتے ہیں ”دیوان ٹیک چند ایم۔اے نے جو پنجاب میں کمشنر تھے اور جن کو زبانوں کی تحقیق کا شوق تھا۔ایک دفعہ انبالہ میں مجھ سے کہا کہ لفظ سپرو کا تعلق ایران کے قدیم بادشاہ **شاپور** سے ہے۔اور سپرو حقیقت میں ایرانی ہیں۔جو اسلام سے بہت پہلے ایران کو چھوڑ کر کشمیر میں آباد ہوئے۔اور اپنی ذہانت وفطانت کی وجہ سے برہمنوں میں داخل ہوگئے“۔فوقؔ صاحب یہ بھی لکھتے ہیں ”کچھ شک نہیں کہ سپرو اور شاہ پور کی باہم تطبیق ہوسکتی ہے۔لیکن اس کے لئے مزید تحقیقات کی ضرورت ہے اور دیوان ٹیک چند آج زندہ ہوتے تو اس مشکل کو حل کر سکتے“۔(دیوان ٹیک چند ایم۔اے انگریزی،فارسی،عربی،سنسکرت کے علاوہ یورپ کی کئی اور بھی زبانیں جانتے تھے) علامہ اقبالؒ نے محمد الدین فوقؔ صاحب کو اپنے خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ پنجاب میں کوئی اور گھر مسلمان سپرؤوں کا نہیں ہے۔

علامہ اقبالؒ،ان کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد اور ان کے بیٹے شیخ اعجاز کے متعلق فوقؔ صاحب نے لکھا ہے کہ ”مسلمانوں میں علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ کا خاندان بہت مشہور ہے۔ان کے جدِاعلیٰ قریباً قریباً سوادو سو سال ہوئے (عالمگیرؒ کے زمانہ میں مسلمان ہوگئے تھے) آپ کا نام نہ صرف کشمیر کے لئے بلکہ تمام

ہندوستان کے لئے مایہ ناز ہے۔آپ اپنی حریت آموز مثنویوں اور اپنے اعلیٰ شاعرانہ تخیلات کی وجہ سے بین الاقوامی شہرت رکھتے ہیں۔آپ کے برادرِ بزرگ شیخ عطا محمد صاحب کا صاحبزادہ شیخ اعجاز احمد بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی پنجاب میں سب جج ہے۔پنجاب کے پنڈت سپرو خاندانوں میں رائیصاحب پنڈت جیون لعل سپرُو ڈپٹی سپرئنڈنٹ جیل جھنگ اور پنڈت گوپی ناتھ سپرُو۔ای۔اے۔سی گوجرانوالہ کا نام معلوم ہوسکا ہے ان کے علاوہ سنا ہے اور بھی چند خاندان ہیں۔یو۔پی میں الہ آباد کے ڈاکٹر سر تیش بہادر سپرُو۔ایم۔اے۔ایل۔ایل۔ڈی بیرسٹرایٹ لا ءجن کو ۱۹۳۴ء کے نوروز میں پریوی کونسل کا عہدہ ملا ہے نہایت مقتدر ہستی ہے۔

یہاں تک علامہ اقبالؒ کے خاندانی پس منظر کے متعلق مرحوم فوقؔ صاحب کی عبارت پیش کی گئی جس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح نکھر کر سامنے آگئی کہ علامہ اقبالؒ کے اجداد کشمیری تھے اور انہوں نے کسی وجہ سے کشمیر سے سیالکوٹ ہجرت کی تھی۔

(نوٹ) علامہ اقبالؒ کے مذکورہ بیان سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ پنجاب میں مسلمانوں میں صرف ان ہی کا گھرانہ سپرُو گوت (خاندان) کے نام سے مشہور تھا۔مگر صرف سوادوسوسال پہلے اس خاندان کا اسلام قبول کرنا طے طلب ہے۔کیونکہ اس کے متعلق ایک دوسری روایت بھی محلِ نظر ہے اور معاملہ وضاحت طلب ہے کہ آیا اس خاندان کے پہلے بزرگ نے صرف سوادوسوسال پہلے اسلام قبول کیا تھا یا اس سے بھی پہلے۔

سپرو خاندان کا اسلام قبول کرنا

علامہ اقبالؒ کے والد شیخ نور محمد کے یہاں ایک روایت چلی آرہی تھی کہ ان کے مورث اعلیٰ کوئی صوفی بزرگ تھے بابالولی حج۔ان کا اصل نام تو معلوم نہیں،نہ یہ کہ ان ہی نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا یا اُنکے کسی بزرگ نے سید نذیر نیازی نے حیات اقبال کے نام سے جو سوانح بہت عرق ریزی کے بعد لکھی ہے اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ مدت کی جستجو کے بعد ہمیں اپنے بزرگوں کا سراغ مل گیا ہے۔حضرت بابالولی حج کشمیر کے مشائخ میں سے تھے۔ان کا ذکر خواجہ اعظم کی تاریخ کشمیر میں اتفاقاً مل گیا ان کا اصل گاؤں لوچڑ

نہیں تھا بلکہ موضع چکو،پرگنہ اَڈون میں تھا (اَڈون تحصیل کولگام میں تھا)۔ترک دنیا کر کے کشمیر سے نکل گئے بارہ سال کشمیر سے باہر رہے۔واپس آنے پر اشارہ غیبی پا کر بابانصیر الدینؒ کے مرید ہوئے۔بقیہ عمران کی صحبت میں گذاری۔اپنے مرشد کے جوار ہی میں مدفون ہیں۔بابانصیر الدین ایک متمول ہندو خاندان کے فرزند تھے۔بچپن ہی سے سوئے ہضم (بدہضمی) کی شکایت تھی۔علاج معالجہ کامیاب نہ رہا۔خواب میں اشارہ ہوا کہ شیخ العالم نوالدینؒ ریشی سے رجوع کریں۔انہوں نے دعا فرمائی۔اچھے ہو گئے۔اسلام قبول کر لیا۔پھر شیخ ہی کی صحبت میں عمر گذار دی اور اس حد تک فیض یاب ہوئے کہ ان کا شمار شیخ کی زندگی ہی میں ان کے خلفاء میں ہونے لگا۔شیخ العالم سلسلہ ریشیاں کے مشائخ میں سے تھے۔جو ۱۳۷۸ء میں پیدا ہوئے اور ۱۴۳۹ء میں وفات پا گئے۔سلطان شہاب الدین کے عہد میں پیدا ہوئے۔وہی شہاب الدین جس کا ذکر جاوید نامہ میں آیا ہے ؎

عمر ہا گل رخت بربست وکشاد ☆ خاک ما دیگر شہاب الدین نزاد

اس بادشاہ کا عہد حکومت ۱۴۲۰ء تا ۱۴۷۰ء ہے۔سلطان زین العابدین (بڈشاہ کے) عہد میں وفات پائی۔سلطان خود جنازے میں شریک تھے۔(نوٹ) سلطان زین العابدین یعنی بڈشاہ کا عہدِ حکومت ۱۴۲۰ء سے ۱۴۷۰ء تک ہے۔نیازی صاحب کا کہنا ہے کہ یہ سنین اس لئے اہم ہیں کہ ہم ان ہی کے حوالے سے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ حکیم الامت کے آباواجداد نے اسلام قبول کیا تو کس زمانے میں۔آگے چل کر نیازی صاحب نے اس ساری بحث کو سمیٹتے ہوئے اپنا نقطۂ نظر اس طرح بیان کیا ہے کہ حکیم الامت کے آباواجداد نے آج سے دوڈھائی سو برس پہلے نہیں،جیسا کہ غلطی سے فوق نے لکھا ہے بلکہ چار پانچ سو برس پہلے اسلام قبول کیا۔بابالولی حج کی اولاد میں ایک بزرگ تھے شیخ اکبر لیکن یہ معلوم نہیں کہ شیخ اکبر بابالولی کی کس پشت سے تھے۔اسی طرح یہ بھی معلوم نہیں کہ شیخ اکبر شیخ جمال الدین کے دادا تھے یا پردادا۔البتہ یہ طے ہے کہ شیخ جمال الدین علامہ اقبالؒ کے پڑدادا تھے۔اور شیخ جمال الدین کے چار بیٹے تھے۔بڑے شیخ محمد رمضان جنھوں

نے تصوف میں چند ایک فارسی رسائل لکھے ہیں۔ دوسرے شیخ محمد رفیق جو شیخ نور محمد کے والد تھے تیسرے شیخ عبدالرحمٰن اور چوتھے شیخ عبداللہ۔ شیخ محمد رفیق کے سب سے بڑے بیٹے شیخ نور محمد باپ کے ساتھ بزازی کا کاروبار کرتے۔ شیخ محمد رفیق ۱۸۴۹ء میں زندہ تھے۔ اس طرح ساری کڑیوں کو ملا کر جو شجرہ اس خاندان کو جاننے کے لئے کسی درجہ میں آسان بن جاتا ہے اس کی تفصیل غالباً درج ذیل نقشہ سے سمجھ میں آسکتی ہے :

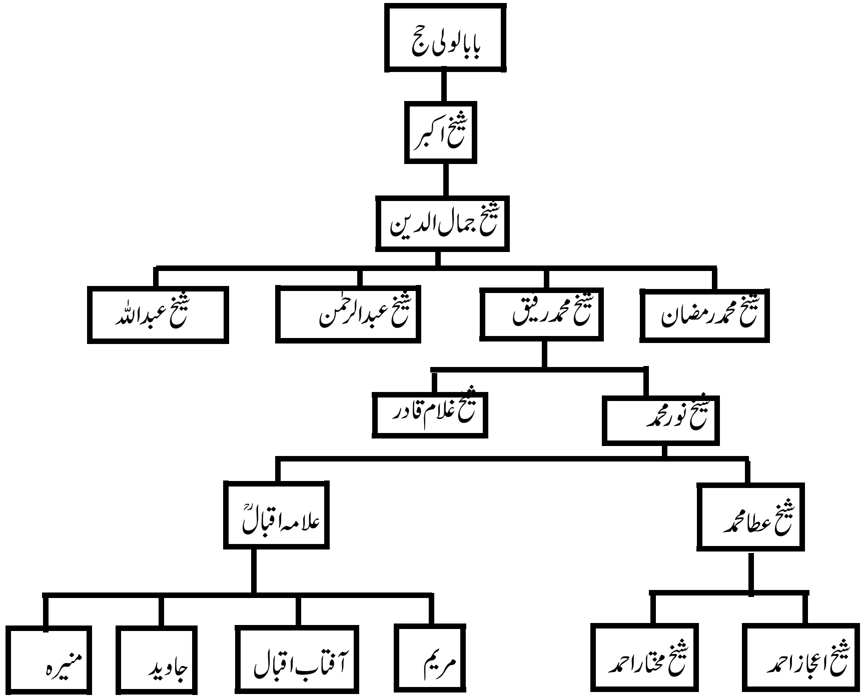

بابا لولی حج سے شیخ جمال الدین تک یہ معلوم نہیں کہ شیخ اکبر بابا لولی کی کس پشت سے تھے اور اسی طرح یہ بھی کہ شیخ اکبر شیخ جمال الدین کے دادا تھے یا پڑدادا۔ یہ میری تحقیق ہے لیکن مزید تحقیق کا دروازہ بند نہیں۔ اہل علم حضرات اگر اپنی جستجو سے اس میں کچھ اور اضافہ کریں گے تو وہ علم و ادب کے ساتھ ایک مروت ہوگی۔ سید نذیر نیازی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ذکرِ اقبالؒ یا بعض دوسری سوانح حیات میں جو یہ لکھا گیا ہے کہ ان

(اقبالؒ) کے جد اعلیٰ نے جس صوفی بزرگ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ان سے اکتساب فیض میں اس حد تک آگے نکل گئے کہ انہوں نے اپنی بیٹی ان کے نکاح میں دے دی حاجی صالح ان کا نام ہوا جس کی وجہ تھی ان کی صالح زندگی۔ یہ روایت بے سند ہے لہٰذا ناقابل قبول۔

کشمیر میں علامہؒ کے اجداد کی رہائش

ہما ڈائجسٹ کے اقبال صدی نمبر میں احمد مصطفیٰ صدیقی نے لکھا ہے "علامہ اقبال کے اپنے بیان کے مطابق ان کے اجداد کی رہائش موضع چکو پرگنہ اَڈون (تحصیل کلگام) میں تھی۔ ان کی گوت (خاندانی ذات) سپرُو ہے۔

ہجرت

علامہؒ کے پردادا شیخ جمال الدین تھے انہوں نے اپنے چار بیٹوں کے ساتھ اٹھارویں صدی کے آخر یا انیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں ہجرت کی۔ یہ ہجرت کرنے میں ضرور کسی بڑے واقعہ کا ہاتھ ہوگا۔ شیخ جمال الدین کے فرزندوں میں شیخ عبدالرحمٰن ، شیخ محمد رمضان اور شیخ محمد رفیق تو سیالکوٹ میں آ بسے جبکہ چوتھے بھائی شیخ محمد عبداللہ موضع "جیٹھی کے" میں رہائش پذیر ہو گئے۔ ان چاروں بھائیوں کی اولاد آج بھی سیالکوٹ اور موضع "جیٹھی کے" میں آباد ہیں۔

شیخ نور محمد

علامہؒ کے والد محترم کا نام شیخ نور محمد تھا اور دادا کا نام شیخ محمد رفیق تھا۔ شیخ محمد رفیق کی شادی جلال پور جٹاں کے ایک کشمیری خاندان میں ہوئی۔ اس بیوی کے بطن سے ان کے دو بیٹے زندہ بچ گئے ایک علامہ اقبال کے والد یعنی شیخ نور محمد صاحب اور دوسرے شیخ غلام قادر۔ شیخ نور محمد شکل و صورت کے اعتبار سے نمایاں شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی شادی سُمبر یال ضلع سیالکوٹ کے ایک کشمیری گھرانے میں امام بی بی نام کی ایک خاتون سے ہوئی۔ یہ خاتون اپنے خاندان میں "بے جی کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ وہ پڑھنا نہ جانتی تھی

لیکن صوم وصلوٰۃ کی بڑی پابند تھی۔

شیخ نور محمد کو اپنے خاندان میں میاں جی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ان کو تصوف کا ذوق ورثے میں ملا تھا ۔ان پر بچپن ہی سے اہل دین کی صحبتوں نے اس ذوق کو شوق کی حد تک بڑھا دیا تھا۔وہ تصوف کے معاملات اور دین کے مسائل سے بخوبی آگاہ تھے۔وہ اکثر غور وفکر میں ڈوبے رہتے شاید اسی بنا پر انہیں ان پڑھ فلسفی کا خطاب دیا گیا تھا۔انہوں نے روحانیت کی کئی منزلیں طے کر لی تھیں۔وہ صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے۔جن کا تذکرہ علامہ اقبالؒ اپنے دوستوں کے سامنے کرتے تھے۔شیخ نور محمد کی مالی حالت اچھی نہ تھی ۔شروع شروع میں مالی اعتبار سے بڑی تنگی تھی لیکن بعد میں اللہ نے اس تنگی کو دور فرمایا اور آہستہ آہستہ مالی الجھنوں سے چھٹکارا مل گیا۔

شیخ نور محمد کے بڑے بیٹے شیخ عطا کی پیدائش ۱۸۶۰ء میں ہوئی تعلیم حاصل کرنے کے بعد پہلے اوورسیر اور پھر ایس۔ڈی۔او بن گئے۔وہ اپنی ملازمت کے دوران مختلف مقامات پر متعین رہے۔اس ملازمت میں انہوں نے کافی روپیہ بچایا۔اقبال کی اعلیٰ تعلیم کا خرچ بھی انہوں نے ہی برداشت کیا۔افسوس ہے کہ ان کا میلان مرزائیت (قادیانیت) کی طرف ہو گیا۔شیخ عطا محمد کے دو صاحبزادے تھے شیخ اعجاز احمد اور شیخ مختار احمد ۔شیخ اعجاز احمد حکومت پاکستان میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے شیخ عطا محمد کا انتقال ۱۹۴۰ء میں ہوا۔اقبالؒ کے والد محترم کا انتقال ۱۷ اگست ۱۹۳۰ء کو ہوا اور والدہ ماجدہ ۹ نومبر ۱۹۱۴ء کو ۷۸ برس کی عمر میں رحلت فرما گئیں۔

شیخ نور محمد نے علامہ اقبال سے کیا عہد لیا؟

۱۸۹۱ء میں علامہ اقبال نے سیالکوٹ کے کالج میں جب داخلہ لیا اس وقت ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے واقعی اقبال کو اقبال بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔وہ تھا ان کا اپنے والد کے ساتھ عہد۔ان کے والد شیخ نور محمد نے ان سے یہ عہد لیا کہ وہ تکمیل کے بعد اپنی ساری زندگی اسلام کے لئے وقف کر دیں گے۔علامہ اقبال نے

یہ عہد جس طرح پورا کیا ساری دنیا اس کی گواہ ہے۔والد صاحب کی آخری بیماری میں ایک دن علامہ نے باتوں باتوں میں ان سے پوچھ لیا" والد بزرگوار! آپ سے جو میں نے اسلام کی خدمت کا عہد کیا تھا وہ پورا کیا یا نہیں "باپ نے بسترِ مرگ پر شہادت دی کہ "جان من تم نے میری محنت کا معاوضہ ادا کر دیا"۔شیخ نور محمد سرسید کے بڑے حامی تھے۔

شیخ نور محمد نے خواب یں کیا دیکھا تھا؟

شیخ نور محمد نے خلیفہ عبدالحکیم سے اقبالؒ کی پیدائش سے چند روز پہلے کا ایک عجیب وغریب واقعہ بیان کیا ہے۔فرماتے ہیں:

"اقبال ابھی ماں کے پیٹ میں تھا کہ میں نے ایک عجیب وغریب خواب دیکھا۔کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نہایت خوش نما پرندہ سطح زمین سے تھوڑی بلند اڑ رہا ہے اور بہت سے لوگ ہاتھ اُٹھا کر اور اچھل اچھل کر اسے پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔لیکن وہ کسی کی گرفت میں نہیں آتا۔میں بھی ان تماشائیوں میں کھڑا تھا اور خواہش مند تھا کہ غیر معمولی جمال کا یہ پرندہ میرے ہی ہاتھ میں آجائے۔یک بیک وہ پرندہ میری آغوش میں آ گرا۔میں بہت خوش ہوا اور دوسرے میرا منہ تکتے رہ گئے۔"

خواب کی تعبیر اللہ تعالیٰ نے اس طرح ظاہر فرمائی کہ علامہ اقبال جیسا شاہین صفت فرزند اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا جس نے اپنے پر درد اور پر سوز کلام سے عالم اسلام کے اندر ایک نئی روح پھونک دی اور نوجوانوں کے اندر ایک نئی حرارت آ گئی۔

پیدائش

علامہ اقبالؒ نومبر ۱۸۷۷ء میں مغربی پنجاب کے مشہور شہر سیالکوٹ کے محلّہ چودھری وہاب میں جس سے آج کل اقبال اسٹریٹ کے نام سے پکارا جاتا ہے پیدا ہوئے۔جہاں علامہ کے دادا شیخ محمد رفیق نے ۱۸۶۱ء میں ایک مکان خریدا تھا۔

اقبالؒ نے جب ہوش سنبھالا

پہلا مدرسہ: اقبال نے ہوش سنبھالا تو ان کے والد شیخ نور محمد نے انہیں عمر شاہ کے مکتب میں بٹھایا۔ وہ مسجد میر حسام الدین میں بچوں کو پڑھاتے تھے اور مولانا میر حسن کے چچیرے بھائی تھے۔ یہ مسجد ۱۸۷۶ء میں تعمیر ہوئی تھی۔

دوسرا مدرسہ: اس کے بعد علامہ کے والد صاحب نے انہیں مولانا غلام حسن کے مدرسے جہاں صرف دینی علوم پڑھائے جاتے تھے میں بھیج دیا۔ یہ مولانا غلام حسن ساہیووالا کے رہنے والے تھے۔ فاروقی شیخ نواب صدیق حسن خان اور پھر مولوی مرتضٰی صاحب سے تلمذ رہا۔ عالم و فاضل، بڑے بزرگ، صاحب کشف، مسجد صرافاں میں درس دیتے۔ عقیدت مند اور طلباء حاضر خدمت رہتے۔ مولوی ابراہیم ان ہی کے شاگرد رشید تھے۔ میر حسن سے نہایت گہرے روابط تھے، انہوں نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ اسلامی معاشرے کے انحطاط کا اس امر سے اندازہ کیجئے کہ اسلامیہ ہائی اسکول میں مدرسی کی۔ سیرت و کردار کا یہ عالم کہ مولوی ظفر اقبال دوپہر میں ان سے سبق لیتے۔ ایک روز حاضر خدمت ہوئے تو سو رہے تھے مولوی صاحب کے پاؤں دابنے لگے۔ دوسرے روز مولانا نے پوچھا کل کیوں نہیں آئے؟ کہا آپ آرام فرما رہے تھے۔ کہنے لگا اچھا! اور پھر اس واقعے سے ایسا متاثر ہوئے کہ دوپہر میں کبھی آرام نہ کیا۔ ۱۸ جنوری ۱۹۲۵ء کو فوت ہوئے۔

مقصد یہ تھا کہ اقبال دینی تعلیم حاصل کریں۔ لیکن چند دن ہی گزرے تھے کہ اس مدرسے میں مولانا میر حسن کا گذر ہوا۔ انہوں نے محمد اقبال کو دیکھا تو پوچھا یہ کس کا بچہ ہے۔ معلوم ہوا شیخ نور محمد کا۔ میر حسن شیخ نور محمد سے ملے اور کہنے لگے کہ محمد اقبالؒ کو میرے پاس بھیج دیں اسے میں پڑھاؤں گا شیخ نور محمد رضامند ہو گئے۔

تیسرا مدرسہ: یہ دن تھا اور مولانا میر حسن کا دم آخر اقبال کا رشتۂ تلمذ (طالب علمی کا رشتہ) ان سے برابر قائم رہا۔ باپ کی آرزو کہ بیٹا اعلیٰ تعلیم حاصل کرے پوری ہوئی۔ اقبال خود فرماتے ہیں کہ میرے والد کی بڑی خواہش تھی کہ مجھے تعلیم دلوائیں۔ انہوں نے پہلے تو مجھے مسجد میں بٹھایا پھر شاہ صاحب کی خدمت میں بھیج دیا۔ مسجد کا

اشارہ عمر شاہ کے مکتب کی طرف تھا۔ شاہ صاحب کا اشارہ مولانا میر حسن کی جانب۔ سیالکوٹ میں میر حسن کو شاہ صاحب ہی کہا جاتا تھا۔ میری تعلیم عربی فارسی سے شروع ہوئی۔ چند سالوں کے بعد ایک مقامی اسکول میں بھیج دیا گیا۔ اس طرح علامہ اقبال سے مولوی غلام حسن کا مدرسہ چھوٹ گیا اور میر حسن کا مدرسہ مکتب کی تعلیم کے بعد ان کا پہلا مدرسہ بن گیا۔

چوتھا مدرسہ اسکاچ مشن ہائی اسکول: یہ مدرسہ کلیسائے سکاٹ لینڈ (Church of Scotland) نے ۱۸۵۹ء میں قائم کیا تھا۔ اسی مدرسہ میں داخل ہو کر علامہ اقبال نے یونیورسٹی کیریر شروع کیا۔ اسی مدرسہ میں علامہ اقبالؒ نے ۱۸۸۸ء میں پرائمری، ۱۸۹۱ء میں مڈل، ۱۸۹۳ء میں اینٹرنس یعنی میٹرک کیا۔ مڈل امتحان میں اول آئے اقبال اس مدرسہ میں زیر تعلیم ہی تھے کہ ۱۸۸۹ء میں اس مدرسہ میں ایف۔ اے کی دو جماعتوں کا اضافہ ہو چکا تھا اور اس کا نام سکاچ مشن کالج رکھا گیا۔ آپ نے ۱۸۹۱ء میں اسی کالج میں داخلہ لیا۔ اور ۱۸۹۵ء میں ایف۔ اےکا امتحان پاس کیا اور عربی میں نمایاں کامیابی کی بنا پر وظیفہ پایا۔ سیالکوٹ میں اب مزید تعلیم کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ علی گڈھ دور تھا اور گھر کے وسائل محدود۔ اس کے برعکس لاہور قریب تھا۔ علامہ اقبال کے بڑے بھائی کے ایثار کی وجہ سے آپ نے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ اس مدرسہ میں داخل کرنے میں میر حسن کا ہاتھ تھا تاکہ علامہ اقبالؒ انگریزی تعلیم حاصل کر سکیں کیونکہ میر حسن انگریزی تعلیم کی ضرورت اور افادیت کے قائل ہی نہیں تھے بلکہ اس کے پرزور مؤید۔ میر حسن کی بصیرت کے سبب علامہ اقبالؒ ایک طرف اسلامی تعلیم سے آراستہ ہوئے اور دوسری طرف مغربی یا یوں کہیے کہ جدید علوم سے۔

پانچواں مدرسہ: گورنمنٹ کالج لاہور میں بی۔ اے میں داخلہ لیا۔ بی میں ان کے مضامین انگریزی، فلسفہ اور عربی تھے۔ ۱۸۹۷ء میں انہوں نے بی۔ اے کا امتحان سیکنڈ ڈویژن میں پاس کیا اور عربی میں اول آنے پر وظیفے کے علاوہ دو تمغے بھی حاصل کئے۔ ۱۸۹۷ء انہوں نے ایم۔ اے فلسفہ میں داخلہ لیا۔ جہاں انہیں سر ٹامس آرنلڈ کی شاگردی کا فخر حاصل ہوا۔ جس نے آپ کی زندگی کا آئندہ رخ متعین کرنے میں اہم کردار ادا

کیا۔ان دنوں ایم ۔اے کاامتحان ایک سال میں ہوا کرتا تھا۔علامہ نے ۱۸۹۸ء میں امتحان نہیں دیا پھر اگلے سال یعنی ۱۸۹۹ء میں پاس کیا۔یونیورسٹی میں اول آنے پر نواب علی بخش گولڈ میڈل حاصل کیا۔

ایم۔اے میں سر ٹامس آرنلڈ کی شاگردی

۱۸۸۷ء میں علامہ نے ایم ۔اے فلسفہ میں داخلہ لیا جہاں انہیں سر ٹامس آنلڈ کی شاگردی کا فخر حاصل ہوا جس نے آپ کی زندگی کا آئندہ رخ متعین کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ٹامس آرنلڈ لاہور آنے سے پہلے علی گڈھ میں دس سال تک فلسفے کے استاد رہ چکے تھے اور اس دوران میں انہوں نے مولانا شبلی سے عربی کی تعلیم بھی حاصل کر لی تھی۔انہیں اسلامیات اور تاریخ اسلامیات سے کافی دلچسپی تھی۔ان کی کتاب (**legacy of Islam**) ہے۔جس کا ترجمہ عبدالمجید سالکؔ نے کیا ہے اور اس کا نام میراث اسلام رکھا ہے۔یہ کتاب ان کی اسلامیات سے دلچسپی کی شاہد ہے۔وہ ایک بہت اچھے استاد تھے۔اقبال نے بھی ان کی شاگردی میں رہ کر علم کی پیاس خوب بجھائی۔یہ تعلق بعد میں دوستی کی حد تک بڑھ گیا۔آرنلڈ بھی علامہ کی دل سے قدر کرتے تھے کہ ایسا شاگرد استاد کو محقق اور محقق کو محقق تر بنا سکتا ہے۔جب وہ ہندوستان چھوڑ کر لندن روانہ ہوئے تو اقبال نے اپنی مشہور نظم ''نالۂ فراق'' لکھی۔

ایم۔اے کے بعد ملازمت

فلسفہ میں ایم۔اے کا امتحان اعزاز کے ساتھ پاس کرنے کے بعد اقبال اورنٹل کالج لاہور میں عربک ریڈر مقرر ہوئے۔ریڈر انگریزی زبان میں ناظر یا کتاب خوان کو کہتے ہیں۔جو زیر طبع کتابوں کی غلطیاں بھی نکالتا ہے۔مختصراً یہ یونیورسٹی کا ایک اونچے درجے کا لیکچرار (**lecturer**) ہوتا ہے۔اس وقت آپ کی تنخواہ ۷۳ روپے ماہوار تھی۔اس کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ کی اسسٹنٹ پروفیسری مل گئی۔

جان نثار ملازم علی بخش کا مل جانا

انہی ایام میں علی بخش جیسا جان نثار ملازم ملا۔جس نے آپکی خدمت کا حق ادا کر دیا۔

شاعری کا آغاز

آپ نے سیالکوٹ کے سکاچ مشن کالج سے ہی پہلے پنجابی میں اور پھر میر حسن کے مشورہ سے اردو میں اپنی شاعری کا آغاز کیا۔جب لاہور کالج میں داخلہ لیا تو ان کا یہ شوق پہلے سے کہیں زیادہ ترقی کر گیا۔اقبال بذریعہ خط و کتابت داغؔ کے شاگرد بن گئے جنہوں نے چند غزلوں میں معمولی سی اصلاح کے بعد صاف صاف کہدیا کہ ان کا کلام اصلاح سے بے نیاز ہے۔اقبال کی شاعری کا ڈنکا بج گیا تو داغؔ فخر کا اظہار کرتے تھے کہ اقبال بھی ان کے شاگردوں میں شامل ہے۔

داغؔ دہلوی کے علاوہ آپ نے اس وقت کے لاہور کے ایک ممتاز شاعر ارشد گوگانی سے بھی اصلاح لی۔اقبال کے اس شعر نے پہلی مرتبہ سامعین کی توجہ اپنی جانب مبذول کی۔

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے

ایک مشاعرے میں اقبال کا کلام سن کر شبلی نعمانی نے کہا ''جب آزادؔ اور حالیؔ کی کرسیاں خالی ہونگی تو لوگ اقبالؔ کو ڈھونڈیں گے۔اقبالؔ کی شاعری کو انجمنِ حمایت اسلام لاہور نے پلیٹ فارم مہیا کیا جہاں انہوں نے اپنی پہلی نظم نالہ یتیم سنائی تھی۔اس دل سوز نظم نے سامعین کو زار و قطار رلایا۔

یورپ کا سفر

یورپ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا خیال علامہ اقبالؒ کے ذہن میں کس طرح آیا۔ایک واقعہ یہ بتایا جاتا ہے جب علامہ نے ایکسٹرا اسسٹنٹ بننے کے لئے امتحان دیا تو امید تھی کہ اقبالؔ کامیاب ہو جائیں گے لیکن میڈیکل بورڈ نے بائیں آنکھ کے پیدائشی نقص کی آڑ لے کر آپ کو طبی نقطہ سے غیر موزوں قرار دیا۔اس پر احتجاج کیا گیا لیکن حکومت نے وقتی مصلحت کے سامنے صلاحیت کو کوئی اہمیت نہیں دی شاید یہ واقعہ بھی یورپ جانے کا فیصلہ لینے کا محرک بنا۔

دوسری وجہ قانون کی تعلیم حاصل کرنے سے آپکی کی خاصی دلچسپی اور بھائی کے مقدمے میں یہ احساس اور بھی شدت اختیار کر گیا ہوگا۔جن کے خلاف دو غیر مسلم ساتھیوں نے بے بنیاد الزام لگا کر انہیں فوجداری مقدمے میں پھنسا دیا تھا۔جن کے خلاف علامہ اقبالؔ نے اپنی منظوم

فریاد خواجہ نظام الدین اولیاء کے سامنے پیش کی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کے بھائی کے معاملے میں خود انصاف کرے۔

تیسری وجہ اپنے استاد سر ٹامس آرنلڈ کی لندن واپسی نے بھی اس تحریک کو مزید تقویت پہنچائی۔ غالباً انہوں نے بھی علامہ کو انگلستان آنے کی دعوت دی۔ اس کی تائید اس نظم سے ہوتی ہے جو انہوں اپنے استاد کے فراق میں لکھی تھی۔ یورپ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپ نے گورنمنٹ کالج لاہور سے تین سال کے لئے بلا تنخواہ رخصت لی۔

اقبالؒ یورپ میں

۱۹۰۵ء میں اقبالؒ نے کیمبرج یونیورسٹی لندن کے ایک کالج میں داخلہ لیا۔ اس کالج سے دوبارہ بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد لندن کے لاء کالج میں تعلیم حاصل کرنے لگے۔

اقبالؒ جرمن میں

اسی دوران آپ نے میونخ یونیورسٹی (Munich University) جرمن سے پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کے لئے فلسفہ عجم پر مقالہ لکھنے کے کام کا آغاز کیا۔ ۱۹۰۷ء میں جرمن زبان سیکھنے کے ساتھ ساتھ میونخ یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

اقبالؒ دوبارہ لندن میں

جرمن کی یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد دوبارہ لندن واپس آئے "لنکن ان لاء کالج" سے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ معاشیات اور سیاسیات کا مطالعہ کرنے کے لئے لندن کے اسکول آف اکنامکس اور پولیٹکل سائنس میں داخلہ لیا اور کیمبرج یونیورسٹی سے فلسفہ اخلاق کے موضوع پر مقالہ لکھ کر ڈگری بھی حاصل کی۔

اقبالؒ لندن میں چھ ماہ عربی کے پروفیسر رہے

قیام یورپ کے آخری ایام میں پروفیسر آرنلڈ کی رخصت کے دوران چھ ماہ تک لندن میں عربی کے پروفیسر رہے۔

یورپ سے اقبالؒ کی واپسی

تین برس یورپ میں رہنے کے بعد علامہ اقبالؒ ۱۹۰۸ء میں متعدد ڈگریوں کے ساتھ واپس وطن لوٹے۔ اقبال کے دوستوں کا خیال تھا کہ یورپ میں تین سال کے قیام کے بعد وہ کافی حد تک بدل چکے ہونگے۔ لیکن جب انہوں نے اقبالؒ کی صحبت میں کچھ وقت گذارا تو ان پر یہ منکشف ہوا کہ ان کے لباس، رہن سہن اور عادات میں کوئی خاص تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

اقبالؒ کی پوری زندگی مختصر الفاظ میں

<u>علامہ اقبالؒ ۱۹۰۸ء میں لندن سے ہندوستان واپس آئے</u>: لاہور میں بیرسٹری کی ابتداء بھی ۱۹۰۸ء میں ہوئی۔ اس کے بعد چیف کورٹ لاہور میں پریکٹس کرنے کی درخواست ۱۹۱۱ء میں دی۔ ۱۹۱۱ء میں انجمن حمایت الاسلام کے اجلاس میں اپنی مشہور نظم شکوہ سنائی اور اسی سال گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۸ء سے ۱۹۲۱ء تک آپ کا قیام انارکلی لاہور میں رہا۔ ۱۹۱۳ء میں مڈل درجوں کے لئے تاریخ ہند لکھی۔ ۱۹۱۴ء میں والدہ محترمہ امام بی بی کا انتقال ہو گیا۔ ۱۹۱۵ء علامہ کی کتاب اسرار خودی شائع ہوئی۔ ۱۹۱۷ء درد گردہ کا پہلا حملہ ہوا۔ کانگرس لیڈر لالہ لاجپت رائے کی عیادت کے دوران انہوں نے علامہ کو مشورہ دیا کہ وہ دہلی کے ایک حکیم سے علاج کرائیں۔ لہٰذا آپ بغرض علاج دہلی تشریف لے گئے۔ ۱۹۱۸ء میں رموزِ بے خودی کی اشاعت ہوئی۔ ۱۹۲۰ء میں اپنے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کو لاہور سے ایک اہم خط میں لکھا "کہ میری تحقیق کے مطابق ہمارے خاندان کی سکونت کشمیر کے لوچر یا لاجر میں نہیں بلکہ موضع چکو پرگنہ آڈون میں تھی۔ ۱۹۲۰ء میں کشمیر کا سفر کیا۔ نشاط باغ میں اپنی مشہور نظم ساقی نامہ کہی۔ ۱۹۲۰ء میں ہی اے۔ آر۔ نکلسن نے جو ٹرنٹی کالج میں عربی کے معلم تھے نے علامہ کی کتاب اسرار خودی کا انگریزی ترجمہ کیا۔ ۱۹۲۲ء

سے ۱۹۳۵ء تک آپ کا قیام میکلوڈ روڈ لاہور میں رہا۔اس دوران آپ کو لاہور میں ۱۹۲۳ء میں (سر) کا خطاب ملا۔ ۱۹۲۳ء میں آپ کی کتاب پیامِ مشرق شائع ہوئی۔ ۱۹۲۴ء میں چھٹی،ساتویں اور آٹھویں کے طلبہ کے لئے تعلیمی نصاب اردو کورس کو ترتیب دیا۔ ۱۹۲۴ء میں آپ کی کتاب ''بانگ درا'' شائع ہوئی۔ ۱۹۲۴ء میں ہی آپ کی پہلی بیوی مختار بیگم کا انتقال ہوا جو والدہ آفتاب اقبال بھی ہے۔ادھر ۱۹۲۴ء میں ہی جاوید اقبال آپ کی دوسری بیوی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۵ء میں اسلامیہ کالج لاہور میں (اسلام اور اجتہاد) کے عنوان سے لیکچر دیا جس میں بڑے جوش کے ساتھ ترکی شاعر ضیا کا کلام سنایا۔ ۱۹۲۶ء میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے الیکشن میں کامیاب ہوئے۔اس کونسل کے آپ ۱۹۲۶ء سے ۱۹۲۹ء تک رکن رہے۔ ۱۹۲۷ء میں آپ کی کتاب زبورِ عجم شائع ہوئی۔ ۱۹۲۸ء میں **(Reconstruction of Religious Thought in Islam)** کے متعلق مدراس میں چھ لیکچر دئے۔پھر ۱۹۲۹ء میں یہی لیکچر دینے کے لئے مہاراجہ میسور کی ذاتی دعوت پر آپ میسور گئے۔ ۱۹۲۹ء میں ہی دکن کا سفر کیا اور حیدرآباد میں یہی مذکورہ لیکچر دے دئے۔اسی سال آپ کے شفیق استاد مولوی میر حسن کا انتقال ہو گیا۔ ۱۹۳۰ء میں ہی آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ جلسے کی صدارت کی۔اسی سال آپکے والد محترم شیخ نور محمد کا انتقال ہو گیا۔ ۱۹۳۱ء میں علامہ نے پروفیسر سلیم یوسف چستی کو ''گلشن راز جدید'' سبقاً سبقاً پڑھائی۔ ۱۹۳۱ء میں آپکے خطابات پر مبنی مذکورہ کتاب یعنی **(Reconstruction of of religious thought in Islam)** شائع ہوئی۔اسی سال فلسطین جا کر موتمر عالم اسلامی کے اجلاس میں شرکت کی۔اس کے بعد اسی سال لندن میں دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کی ۱۹۳۲ء میں نپولین کے مزار پر حاضری دی ۱۹۳۲ء میں ہی Messignon سے ملاقات کی۔اسی طرح اسی سال برگساں سے ملاقات کی ۱۹۳۲ء میں ہی برگساں سے ملاقات کے دوران اس کو حضورﷺ کی یہ حدیث سنائی ''لاتسبو الدھر ان الدھر ھو اللہ'' ***(Do not vilify time ,because time is god)*** ۔تو برگساں تصور زمانے کے

بارے میں یہ حدیث سن کر حیران و ششدر رہ گیا۔ ۱۹۳۲ء میں ''جاوید نامہ'' کی اشاعت ہوئی۔اسی سال لندن میں تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کی ۱۹۳۳ء روم اٹلی جا کر مسولینی سے ملاقات کی ۱۹۳۳ء میں ہی قرطبہ (اسپین) میں نظم ''دعا'' لکھی۔اور اسی سال نظم ''مسجد قرطبہ'' لکھی ۱۹۳۳ء سے آپکی طبیعت ناساز گار ہونے لگی لیکن پھر بھی حکومت افغانستان کی دعوت سفرِ افغانستان کیا ۱۹۳۳ء میں ہی پنجاب یونیورسٹی نے آپ کو ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی ڈگری عطا کی ۱۹۳۴ء میں شدید نزلے اور کھانسی کی وجہ سے آپ کا گلا بھی بیٹھا ۱۹۳۵ء میں آپکی دوسری بیوی سردار بیگم والدۂ جاوید کا انتقال ہو گیا۔اسی سال بال جبریل شائع ہوئی اور اسی سال پانی پت جا کر مولانا حالی کی برسی میں شرکت کی۔پھر بھوپال میں سر راس مسعود کے ہاں آپ کا قیام ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۸ء تک متعدد بار رہا۔بھوپال میں ۱۹۳۵ء میں ہی آپ کا برقی علاج ہوا ۱۹۳۵ء میں ہی وصیت نامہ تحریر کیا ۱۹۳۶ء ضرب کلیم اور پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق لاہور سے شائع ہوئیں۔اسی سال ضیق النفس (**Asthama**) کی شکایت شروع ہوئی ۱۹۳۷ء میں نادرہ مسعود کی پیدائش پر تاریخی قطعہ لکھا ۔موتیا بند کی شدت بھی اسی سال ہوئی۔اسی سال جامعہ از ہر مصر کے علماء کے ساتھ ملاقات ہوئی۔دہلی میں پھر اسی سال حکیم نابینا سے علاج کروایا۔لیکن ساتھ ہی لاہور پہنچ کر درد نقرس کی ابتداء ہوئی۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۸ء تک آپ کا زیادہ تر قیام جاوید منزل میورو ڈ لاہور میں رہا۔ ۱۹۳۸ء میں ہی جواہر لال نہرو اور اقبال کی ملاقات ہوئی۔اسی سال دمہ کے شدید دورے اور درد گردہ کا دوسرا حملہ لاہور میں ہوا۔اپریل ۱۹۳۸ء میں وفات ہوئی اور اسی سال علامہ کے انتقال کے بعد ارمغانِ حجاز لاہور سے شائع ہوئی۔

فارسی زبان میں علامہ اقبال کی تعلیم کا خلاصہ

ایک صاحب عزیمت داعی کی طرح علامہ اقبال نے اسلام کے بنیادی اور مرکزی ستون کلمہ کی دعوت دی ہے۔جاوید نامہ جو فارسی زبان میں علامہ اقبال کی ایک شاہکار تصنیف ہے اس میں فرماتے ہیں۔

۱ اے پسر ذوقِ نگاہ از من بگیر☆ سوختن در لا الٰہ از من بگیر !

۲ لا الٰہ گوئی ؟ بگواز روئے جان☆ تا ز اندام تو آید بوئے جان !

۳ مہر و مہ گردد زِ سوزِ لا الٰہ ☆ دیدہ ام ایں سوز را در کوہ و کہ !

۴ زیستن با سوزِ او قہاری است ☆لاالٰہ ضرب است وضرب کاری است!

(ترجمہ)

۱ اے بیٹے نظر کا مزہ مجھ سے حاصل کر اور کلمہ کے عشق میں اپنے آپ کو مٹانا مجھ سے حاصل کر۔

۲ تو لاالٰہ کہتا ہے لیکن میری گذارش یہ ہے کہ اس طرح جاندار طریقے سے کہہ تا کہ تیرے جسم سے روح کی خوشبو آئے۔

۳ سورج اور چاند اسی کلمہ کے سوز سے گردش میں ہیں اور میں نے اسی کلمہ کا سوز پہاڑ اور گھاس کے خشک تنکوں میں دیکھا ہے۔

۴ اللہ تعالیٰ کے عشق کے ساتھ زندہ رہنا قہاری ہے۔لاالٰہ ایک ضرب ہے اور ضرب کاری ہے۔

اعتبار از لاالٰہ داریم ما☆ ہر دو عالم را نگہ داریم ما

(ترجمہ)ہمارا اگر کچھ اعتبار ہے تو وہ اسی کلمہ لاالٰہ کی برکت سے ہے۔ہماری نظر دونوں جہاں پر ہے۔

ماسوا اللہ را مسلمان بندہ نیست☆ پیش فرعونے سرش افگندہ نیست

(ترجمہ) اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے مسلمان اس کا بندہ نہیں ہے۔اس کا سر فرعون کے سامنے نہیں جھکتا ہے۔

رزقِ خود را از کفِ دونان مگیر ☆ یوسف استی خویش را ارزاں مگیر

(ترجمہ) دنیا پرست کمینوں کے ہاتھ سے اپنا رزق مت پکڑ یعنی ان کا احسان مند مت بن جا تو تو یوسف کی طرح ہے لہٰذا اپنے آپ کو سستا مت بیچ

گرچہ باشی مور وہم بے بال و پر☆ حاجتے پیشِ سلیمانے مبر

(ترجمہ)اگر تو معمولی چیونٹی کی طرح ہوگا اور بغیر بال و پر ہوگا لیکن پھر بھی سلیمان کے سامنے اپنی حاجت کو پیش مت کر۔

راہ دشوار است سامان کم بگیر☆ در جہاں آزاد زی آزاد میر

(ترجمہ) راستہ دشوار ہے تھوڑے سامان پر ہی گذارہ کر۔دنیا کے اندر زندہ رہ اور آزاد آدمی کی طرح موت سے ہمکنار ہو جا۔

خود فرود آ از اشتر مثلِ عمرؓ☆ الحذر از منت غیر الحذر

(ترجمہ) حضرت عمر کیطرح اونٹ سے تازیانہ اُٹھانے کے لئے خود اونٹ سے اتر۔غیروں کا احسان اٹھانے سے پرہیز کر۔

اپنے اردو کلام میں بھی انہوں نے جابجا کلمہ لاالٰہ کی دعوت زور وشور کے ساتھ دی ہے ۔جس کی تفصیل کا یہ رسالہ متحمل نہیں۔

اعمال شریعت کی دعوت

دوسری صفت جو کلمہ کی ادائیگی کے بعد مسلمان کو اپنے اندر پیدا کرنی ہے وہ اس کی جاندار نماز ہے۔علامہ نے بھی نماز کی اہمیت کو جگہ جگہ بیان کیا ہے۔ایک جگہ کلمہ اور نماز کے رشتے کو اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

لا الٰہ باشد صدف گوہر نماز☆ قلب مسلم را حج اصغر نماز

در کفِ مسلم مثالِ خنجر است☆ قاتلِ فحشاء وبغی ومنکر است

(ترجمہ)

۱ لاالٰہ کی مثال ایک چھوٹے پیالہ یا سیپی کی طرح ہے اور نماز اس سیپی میں مثلِ لعل کے ہے ۔جس طرح رومیوں کے ساتویں یعنی سنسان میں بارش کے قطروں سے سیپ میں موتی پیدا ہوتا ہے اسی طرح نماز سے مومن کے بدن میں ایمانی گوہر پیدا ہوتا ہے اور یہ نماز قلب مومن کے لئے حج اصغر یعنی چھوٹا

حج ہے۔

۲۔ یہ نماز مسلمان کے ہاتھ میں ایک خنجر ہے یعنی ہتھیار ہے۔ایک ایسا ہتھیار ہے جو فحش کے لئے قاتل اور منکرات کے خلاف بغاوت ہے ۔

دل ہے مسلمان نہ میرا نہ تیرا ☆ تو بھی نمازی میں بھی نمازی

تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سرور ☆ ایسی نماز سے گذر، ایسے امام سے گذر (کلیاتِ اقبال ص ۳۳۳)

شکوہ میں صحابہؓ کی نماز کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے ۔

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

جواب شکوہ میں اللہ کی طرف سے اس قوم کا شکوہ اس طرح بیان کیا ہے ۔

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا تو غریب
زحمت روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب
پردہ رکھتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب
امرا نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملت بیضا غربا کے دم سے

ایک جگہ نماز سے لاپرواہی کرنے پر یوں اظہار خیال فرمایا ہے ۔

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایمان کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے ☆ یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے
بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں ☆ اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہے لات و منات
یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ☆ ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

فکر اقبال پر کون سا استاد حاوی رہا؟

علامہ اقبالؒ نے اپنی ابتدائی تعلیم جس استاد سے حاصل کی اور جس نے اُن کو عربی و فارسی علوم میں ماہر بنایا وہ سید میر حسن شاہ صاحب تھے۔انہوں نے علامہ اقبالؒ کے چہرے بشرے کو دیکھ کر اقبالؒ کے بچپن میں ہی بھانپ لیا تھا۔کہ یہ بچہ آگے چل ایک عظیم انسان بننے والا ہے۔میر حسن نے چاہا کہ کیوں نہ میں کتابیں تصنیف کرنے کے بجائے ایک انسان تصنیف کروں اللہ نے میر حسن کو آدم سازی کا بہترین سلیقہ عطا کیا تھا۔بظاہر میر حسن ایک مقامی اسکول میں مدرس تھے۔کالج میں عربی کے استاد۔لیکن حقیقت میں استاذ الکل۔انکا حلقہ درس بڑا وسیع تھا اور وہ ہمہ وقت استاد تھے۔اُن کی زندگی سادہ، لباس سادہ، بہت چھوٹی عمر میں اپنے والد صاحب کی نگرانی میں قران مجید حفظ کر لیا۔چند دن اساتذہ کے درس میں بیٹھے پھر جو کچھ حاصل کیا اپنی ذاتی محنت اور استعداد سے۔علم و فضل کی دولت خدا داد تھی اور داد حق کے لئے قابلیت شرط نہیں ہے۔احکام شریعت کے سختی سے پابند تھے۔اس کا بڑا خیال رکھتے تھے کہ کوئی بات خلاف سنت نہ ہونے پائے۔شرعی وضع قطع کے سختی کے ساتھ پابند۔لباس اور داڑھی سنت کے مطابق تھی۔سنتیں اور نوافل پابندی کے ساتھ ادا کرتے۔قران مجید کی تلاوت کثرت سے کرتے تھے۔

علامہ اقبال کہتے تھے۔کہ اسوہ رسول ﷺ پر صیح معنوں میں کسی شخص کا عمل ہے تو وہ مولوی میر حسن

سیالکوٹی ہیں۔علامہ اقبالؔ کا اپنے اس استاد کے متعلق شعر ہے۔

نفس سے جس کے کلی میری آرزو کی کھلی
بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

وہ شمع بارگہ خاندانِ مرتضوی
رہے گا مثلِ حرم جس کا آستان مجھ کو

مختصر یہ کہ بقولِ سید نذیر نیازی محمد اقبال سے بڑھ کر شاید ہی کسی شاگرد نے استاد کی عزت کی ہو اور میر حسن سے بڑھ کر کسی استاد نے شاگرد کا خیال رکھا ہو۔

انگریزوں کے دورِ حکومت میں ۱۹۲۳ء میں جب سوال پیدا ہوا کہ پنجاب کی باری ہے۔شمس العلماء کا خطاب کس سے دیا جائے اور گورنر پنجاب سر مکلیگن نے سے فضل حسین کے ایما (اشارہ) پر محمد اقبال سے مشورہ کیا تو انہوں نے میر حسن کا نام پیش کیا مگر اس شرط پر کہ پھر کسی دوسرے نام پر غور نہ کیا جائے پوچھا گیا کیا ان کی کوئی تصنیف بھی ہے سر جھکا کر کہنے لگے میں ہوں ان کی تصنیف۔اس میں کوئی شک نہیں۔استاد اگر استاد ہے تو شاگرد کو اس کی تصنیف کہا جائے گا۔جب محمد اقبال سر مکلیگن سے رخصت ہو کر باہر آئے چند قدم اٹھائے تھے کہ پھر سر مکلیگن کے کمرے میں داخل ہوئے۔کہنے لگے خطاب کے لئے اگر میری سفارش منظور ہو جائے تو میرے ضعیف العمر استاد کو لاہور آنے کی زحمت نہ دی جائے۔چنانچہ انہیں شمس العلماء کی سند سیالکوٹ ہی میں دی گئی۔خود میر حسن نے خطاب کا سنا تو اپنے بڑے صاحبزادے سید علی نقی کو لکھا "میں خطاب سے اتنا ہی ڈرتا ہوں جتنا عتاب سے۔محمد اقبال کے دل میں استاد کے احترام کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ ان کے پیچھے پیچھے چلتے۔غرض سید میر حسن اسلامی و مشرقی علوم میں علامہ اقبال کے رہبر کامل بن گئے خدا دونوں کی قبر کو نور سے بھردے۔

اقبال کا دوسرا استاد آرنلڈ ایک عیسائی تھا۔میر حسن کے بعد کسی دوسرے استاد نے ان کے ذوق علم کی پرورش کی تو آرنلڈ تھے۔آرنلڈ ۱۸۶۴ء میں پیدا ہوئے۔کیمبرج میں تعلیم پائی۔۱۸۸۷ء میں علی گڈھ آئے

۔سر سید کے بڑے قدردان تھے۔اسی سے متاثر ہو کر اپنی مشہور کتاب میراثِ اسلام تصنیف کی۔۔آرنلڈ اسلامی علوم و معارف کے قدردان تھے۔علی گڈھ کے بعد آرنلڈ لاہور کالج میں فلسفہ کے پڑھانے پر معمور ہوئے۔اقبال ان کا شاگرد بنا۔آرنلڈ نے محمد اقبال کے لئے مغربی فلسفہ، مغربی علم و ادب اور تہذیب و تمدن کے خزانے کھول دئے۔میر حسن کی تربیت میں محمد اقبال نے مشرق اور اسلام کی روح، ضمیر اور مزاج کو سمجھا۔تو آرنلڈ کے زیرِ تعلیم مغرب کے دل و دماغ کو۔

اقبال کے دل کو کس نے جیتا؟

علامہ اقبال نے نہ صرف لاہور میں آرنلڈ سے استفادہ کیا بلکہ یورپ جا کر بھی اس سے مستفید ہوتے رہے۔اس وقت ہندوستان انگریزوں کا غلام تھا۔ہندوستان میں بھی انگریزی حکومت کا ڈنکا بج رہا تھا اور برطانیہ میں بھی وہ شہنشاہیت کے مالک تھے۔حکمران قوم کے مقابلہ میں غلام قوموں کی سوچ کا جو حال ہوتا ہے وہ کسی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں۔انگریزوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ کسی دوسری قوم کو مفتوح بنانے کے بعد تعلیم کے تیزاب میں ڈال کر ان کے اندر فکری ارتداد پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ اس تیزاب میں غوطہ دینے کے بعد وہ جس طرف ان کا رخ موڑنے کی کوشش کرتے ہیں اس میں ان کے لئے کوئی مشکل نہیں رہتی ہے۔لیکن یہ بات بھی طے ہے کہ اسلام اپنے اندر ایسی حقانیت چھپائے ہوئے ہے کہ کسی کے دل پر قبضہ جما لینے کے بعد کوئی دوسرا نظریہ اس پر حاوی نہیں ہو جاتا ہے۔یہی معاملہ اقبالؔ کے ساتھ پیش آیا۔میر حسنؒ نے اقبالؔ کو ایک صالح مسلمان بنایا تھا اس کے قلب کے اندر ایمان و یقین کی روح پھونک دی تھی لیکن ناسازگار سیاسی و تہذیبی فضا میں پھنس جانے کی وجہ سے علامہ اپنے آپ کو صورتاً اس وضع و قطع میں ہم رنگ نہ بنا سکے جو رنگ ان کے استاد محترم نے اپنے اوپر رنگ لیا تھا۔جبکہ سیرتاً علامہ اقبالؔ وہی کچھ تھے جو ان کا ہر دلعزیز استاد میر حسنؒ تھا۔اس پر علامہ اقبالؔ کو افسوس بھی تھا۔اور اس کا انہوں نے اپنے کلام میں برملا اظہار بھی کیا ہے۔ابتدا میں وہ شلوار اور کرتہ پہنتے تھے۔سر پر سفید پگڑی ہوتی

تھی ۔ولایت جا کرانہیں انگریزی لباس بھی پہننا پڑا لیکن وہ ولایت سے آنے کے بعد عام طور پر شلوار،قمیص اور فراق کوٹ کے ساتھ ترکی ٹوپی پہنتے تھے کبھی کبھی پتلون پہن لیتے تو اس کے ساتھ ہیٹ کی جگہ ترکی ٹوپی ہوتی تھی ۔ وہ انگریزی لباس کو پسند نہیں کرتے تھے اور کہا کرتے تھے پتلون کی بہ نسبت شلوار زیادہ پسند ہے ۔(دیکھو کلیات اقبال دیباچہ) انگریزی سوٹ پہن کر عدالت میں جاتے ۔نکٹائی کی جگہ بوکلپ کا استعمال تھا۔لیکن گھبراہٹ اتنی ہوتی کہ واپسی میں علی بخش کو آواز دیتے اور کہتے ’’سب سے پہلے یہ چار جامہ اترواؤ اور انسان کے سے کپڑے پہناؤ‘‘

(تاریخ ساز جوانیاں ص ۱۵۸ از محمد جاوید خالد)

علامہ اقبال مغرب کی کس چیز سے متاثر تھے یا وہ مغرب کی قوت کا سرچشمہ کس چیز کو سمجھتے تھے۔کیا مغرب کی ترقی کا ضامن ان کا لباس ہے یا چنگ و رباب، یا ان کی دوشیزوں (کنواری) لڑکیوں کا رقص ہے، یا اپنے چہرے کو غازہ (Powder) سے لیپنے والی اور ظاہری خوبصورتی بڑھانے والی عورتوں کے جادوئی اثر رکھنے والی حرکت کی وجہ سے ۔یا ننگی پنڈلیوں یا بال کٹائی کی وجہ سے ۔یا کہیں یہ وجہ تو نہیں ہے کہ انہوں نے لادینی (Secular) نظام زندگی اختیار کرنے کی وجہ سے یہ ترقی کی ہے؟ یا ان کی ترقی مت کہیں ان کی لاطینی رسم الخط کی وجہ سے ہے۔ان تمام باتوں کی علامہ تردید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان کی ظاہری اور مادی ترقی کا راز ان کا علم وفن ہے اور اسی آگ سے ان کا چراغ روشن ہے۔لیکن علامہ اقبال ساتھ میں ایک بڑی اہم بات بھی فرماتے ہیں کہ یہ علم وفن یا حکمت لباس کی کانٹ چھانٹ سے حاصل نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کا ایک الگ ضابطہ ہے اور وہ علم وفن میں محنت ومشقت سے جان پیدا کرنا ہے اور پھر نوجوانوں کو سمجھاتے ہیں کہ تمھارا روایتی لباس اور عمامہ ان علوم کے حاصل کرنے میں مانع نہیں ہے لہٰذا اس لباس مشرقی کو سائنسی اور تحقیقی علوم میں رکاوٹ تصور نہیں کرنا چاہئے ۔

قوتِ مغرب نہ از چنگ و رباب ☆ نے ز رقصِ دختران بے حجاب
نے ز سحرِ ساحرانِ لالہ رواست ☆ نے زِ عُریاں ساق و نے از قطعِ مواست

محکمی اورا نہ از لادینی است ☆ نے فروغش از خطِ لاطینی است
قوتِ افرنگ از علم وفن است ☆ از ہمیں آتش چراغش روشن است
حکمت از قطع و بریدِ جامہ نیست ☆ مانع علم و ہنر عمامہ نیست

آخری شعر کا ترجمہ انگریزی میں یوں بنتا ہے:

Wisdom does not lie in how your clothes are tailored ,and the turban is no obstruction for science and technolohy.

لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ سائنس ٹکنالوجی میں ہم نے اپنی پست ہمتی اور تن آسانی سے کوئی جان پیدا نہیں کی اور نہ ہی ہمارے پاس اس کا کوئی عذر ہے ۔البتہ انگریزوں کے بظاہر دلفریب اور چمک دھمک بڑھانے والے حیا سوز لباس کو اپنا شعار (Sign habit) بنایا۔

علامہ اقبالؒ کے لباس کے متعلق غلام بھیک نیرنگ نے اقبال صدی نمبر ’’ہما‘‘ میں لکھا ہے کہ یورپ میں تین سال کے قیام کے بعد جب میں علامہ اقبال سے ملنے کے لئے گیا تو ’’میں دن کے وقت لاہور پہنچا اور سیدھا ان کے ہاں گیا۔ملازموں نے میری پزیرائی کی مگر معلوم ہوا کہ اقبال کہیں گھومنے گئے ہیں ۔میں نے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ اقبالؔ نے بھی گھر سے نکلنا سیکھا۔تھوڑی دیر بعد وہ آئے تو میں نے دیکھا کہ نہایت نستعلیق سوٹ (شایانِ شان سوٹ) پہنے ہوئے ہیں ۔میں نے دوسرا شکر ادا کیا کہ اقبال نے لباس پہننا بھی سیکھا۔اس سے پہلے وہ لباس کے بارے میں صرف سادہ ہی نہیں لاپروا بھی تھے۔اس کے بعد وہ سوٹ اتر گیا وہی ہمیشہ کا تہبند بندھ گیا۔وہ بنیان بدن پر رہ گیا۔وہی کمبل شانوں پر سوار ہو گیا‘‘۔

(اقبالؒ صدی نمبر ص ۷۸)

علامہ اقبالؒ اتنا بڑا علامہ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو سہو وخطا سے مبراء نہیں سمجھتے تھے۔اگرچہ ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا ہے کہ ہم ان کی کمزوریوں کو اپنی تنقید کا ہدف بنائیں لیکن پھر بھی ان کے اپنے کلام کی

روشنی میں واضح ہو جاتا ہے کہ انہیں اس بات کا خوف تھا کہ کہیں کسی معاملے میں انکی گرفت نہ ہو جائے ۔چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں ۔

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا غازی بن تو گیا کردار کا غازی بن نہ سکا

اسی طرح ایک جگہ فارسی کلام میں فرماتے ہیں۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر☆ روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
تو اگر بینی حسابم ناگزیر☆ از نگاہِ مصطفےٰ پنہاں بگیر

(ترجمہ) اے اللہ تو دونوں جہاں سے بے نیاز ہے قیامت کے دن مجھے عذر پیش کرنے کا موقعہ عنایت فرما اور پھر اس کو قبول فرما اگر تو مجھ سے حساب لینا ہی قرار دے گا لے تو مہربانی کر کے حضور ﷺ کی نظروں سے چھپا کر لے لے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں ۔

مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی☆ جو ظاہر میں تو آزادی ہے باطن کی گرفتاری
تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر☆ میری دانش ہے افرنگی میرا ایمان زناری

اقبالؒ کی فکری تعمیر کے بنیادی عناصر

مولانا علی میاں ندویؒ حضرات علماء کی نگاہ میں جو مرتبہ رکھتے ہیں اس پر کسی تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں ۔عصر حاضر میں ان کا علمی مقام اور دینی بصیرت تمام مکاتب ہائے فکر تسلیم کرتے ہیں۔ان کی تحقیق کے مطابق علامہ اقبال کی شخصیت کو دینی اعتبار سے پروان چڑھانے میں پانچ بنیادی باتوں **(Elements)** کا تعلق ہے۔احقر نے ان ہی پانچ عناصر کو بنیاد بنا کر اقبال کے چند اضافی اشعار کے ساتھ درج ذیل الفاظ میں اُسکا ایک خاکہ پیش کیا ہے۔

پہلی بنیادی بات علامہ اقبال کا ایمان و یقین ہے۔اور وہ اسی ایمان و یقین کے حاصل کرنے کا درس مسلمانوں کو دیتے ہیں۔یقین دراصل ایمان ہی کا دوسرا نام ہے۔علامہ کو اس بات پر پختہ یقین تھا کہ اللہ کی ہستی پر یقین، آنحضرت ﷺ کی رسالت پر یقین، قرآنِ مجید کے کلام اللہ ہونے پر یقین ایک آدمی کو یا ایک قوم کو عمل کی تحریک دیتا ہے۔اسکے بغیر عمل کا جذبہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ان کا شعر ہے ۔

یقین پیدا کر اے ناداں یقین سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری

(**تشریح شعر**) اے ناداں! تو اپنے اندر یقین پیدا کر۔کیونکہ یقین سے مسلمان ایسا درویشِ کامل بن جاتا ہے جس کی درویشی کے سامنے فغفوری بادشاہت جھکتی ہے ۔(نوٹ) فغفور چین کے ایک بادشاہ کا نام ہے۔فغفور اصل میں فغبور تھا۔فغ کا معنی بت ہے اور پور کا مطلب بیٹا ہے۔چونکہ اس بادشاہ کے ماں اور باپ نے اس کو بت کی نذر کر دیا تھا اس لئے اس کا یہ نام ہوا۔

دوسری بات جس نے اقبال کو حضرت اقبال بنایا وہ ان کی قرآن فہمی ہے۔انہوں نے قرآن کا مطالعہ اس گہرائی کے ساتھ کیا تھا کہ یہ قرآن اس کا حرزِ جان (جان کی تعویذ بن گیا تھا)۔اور وہ مسلمانوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ اگر تم واقعی مسلمان بن کر زندہ رہنا چاہتے ہیں تو بغیر قرآن کے زندہ نہیں رہ سکتے ہو۔ان کا شعر ہے ۔

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

(ترجمہ) اگر تو مسلمان بن کر زندہ رہنا چاہتا ہے تو وہ اس قرآن کے بغیر ممکن نہیں۔ان ہی کا شعر ہے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

تیسری بات جس نے اقبال کو حضرت اقبالؒ بنایا وہ عرفانِ نفس یا ان کی خودی کا فلسفہ ہے۔خودی سے مراد تکبر کرنا اور دوسروں کو ذلیل سمجھنا نہیں۔علامہ اقبال کے کلام میں دو باتوں پر بہت زور ہے۔خود اعتمادی اور خدا اعتمادی۔خود اعتمادی سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو اشرف

الخلوقات **(The most eminent of created things)** بنایا۔ اس معاملے میں علامہ اقبالؒ پیر رومی کا رہینِ منت **(Obliged)** اور مشکور ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے پیرو مرشد حضرت مولانا رومیؒ سے پوچھا۔

سرِ آدم سے مجھے آگاہ کر
خاک کے ذروں کو مہر و ماہ کر (اقبالؒ)

پیر رومی جواب دیتا ہے۔

ظاہرش را پشۂ آرد بچرخ
باطنش آمد محیطِ ہفت چرخ (رومیؒ)

(ترجمہ مع تشریح) مرید ہندی یعنی اقبال پیر رومیؒ یعنی مولانا جلال الدین سے پوچھتا ہے کہ مجھے آدم یعنی انسان کی حقیقت سے آگاہ کیجئے۔ اور مٹی کے ذرے کو آفتاب و مہتاب بنادے۔ پیر رومی جواب دیتا ہے کہ انسان ظاہری طور اتنا کمزور ہے کہ ایک مچھر اس کو چرخے پر رکھ کر روئی کی طرح کات سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے۔ یہ اس کی کمزوری کا ظاہری پہلو ہے کہ وہ اس قدر کمزور، عاجز اور ناتواں ہے کہ مچھر جیسی ضعیف اور حقیر شئی بھی اس سے ہلاک کر دینے کے لئے کافی ہے اس میں اشارہ ہے نمرود کے واقعہ کی طرف کہ جب اسکی سرکشی حد سے زیادہ بڑھ گئی تو اللہ نے اس کو اسی دنیا میں سزا دے دی۔ کہ ایک چھوٹا سا مچھر اس کی ناک کی راہ سے اس کے دماغ میں داخل ہو گیا اور اس نے اس طاقت ور بادشاہ کی زندگی مشکل بنادی اور اسی بہانے ہلاک ہو گیا۔ لیکن جہاں تک انسان کے باطنی پہلو کا تعلق ہے وہ اس قدر عالی شان ہے کہ ساری کائنات اس میں سما سکتی ہے۔ یعنی مچھر کی حقیقت ہی تو کیا ہے۔ انسان ساری کائنات کو مسخر (subdue) کر سکتا ہے پھر دوسری جگہ علامہ اقبالؒ اس کی وضاحت اپنے دو اشعار میں اس طرح کرتے ہیں۔

ہر کہ عاشق شد جمالِ ذات را ☆ اوست سید جملہ موجودات را
ہر کہ عشقِ مصطفٰے سامانِ اوست ☆ بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

(ترجمہ) جو اللہ کی ذات کا عاشق بنا وہ تمام موجود اشیاء (چیزوں) کا سردار بن گیا۔ اور جس نے اپنی زندگی کا سامان محمد مصطفٰےﷺ کا عشق بنایا تمام سمندر اور خشکی اس کے دامن کے کنارے کے

ایک کونے میں سمٹ گئے۔

چوتھی بات جس نے اقبالؒ کو حضرت اقبالؒ بنایا وہ ان کی رات کی عبادت یا شب خیزی **(Rising at night for prayer)** ہے ان کا شعر ہے کہ۔

عطارؔ ہو رومیؔ ہو رازیؔ ہو غزالیؔ ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

دنیا کی چار بڑی شخصیتوں کے مطلق فرماتے ہیں کہ ان کو بھی دعائے سحر گاہی **(Eearly morning prayers)** سے ہی کچھ ہاتھ آیا۔ یعنی دعائے صبح ہی ان کی ترقی کا اصلی راز ہے۔

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحر خیزی

یورپ کی ہوا بہت ٹھنڈی ہوتی ہے اور موسم بھی اکثر ٹھنڈا ہی رہتا ہے علامہ جب وہاں تعلیم حاصل کرتے تھے تو اس زمستانی ہوا میں بھی ان سے صبح کے وقت اللہ کے سامنے گڑگڑانا نہیں چھوٹا۔

پانچویں بات جس نے اقبال کو حضرت اقبال بنایا وہ مولانا رومی کی مشہور عالم کتاب مثنوی ہے۔ جو فارسی زبان میں ہے اُس دور میں مسلمانوں کے چیدہ چیدہ افراد جب یونانی فلسفیوں کے فلسفے سے متاثر ہونے لگے اور عوام میں ان کے عقلی علوم کی بڑھا چڑھا کر تعریف کرنے لگے تو عوام بھی مرعوب ہونے لگے۔ مولانا رومیؒ کو چونکہ اسلام کی حقانیت پر مکمل یقین تھا انہوں نے عقلی علوم کے شیشہ سے بنی ہوئی شیشہ کی عمارت کو اپنے یقین کے لوہے کے ہتھوڑوں سے مسمار کر دیا اور اس زور سے صورِ اسرافیل کی طرح ایمان و یقین کی بنیاد پر زور دار کلام فرمایا جس نے یونانی فلسفے کی ظاہری چمک و دمک کو خاک میں ملایا اور مسلمانوں کے حرم میں ایسی زوردار اذان دی کہ افکار عقل کو اسرار جان کے آگے سپر انداز ہونے کے لئے مجبور کیا۔ علامہ اقبال نے چونکہ اس کتاب کا بغور مطالعہ کیا تھا اور جس نتیجے پر پہنچے وہ اپنے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

علاج آتشِ رومیؒ کے سوز میں ہے تیرا ☆ تیری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں

اسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن ☆ اسی کے فیض سے میرے سبو میں ہے جیحوں

اپنے آپ کو پیر رومی کا خوشہ چین تسلیم کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

چو رومی در حرم دادم اذاں من ☆ ازو آموختم اسرارِ جان من

بہ دورِ فتنۂ عصرِ کہن او ☆ بہ دورِ فتنۂ عصرِ رواں من

(ترجمہ) میں نے مولانا رومیؒ کی طرح حرم میں اذان دے دی اور اسی سے روحانی اسرار حاصل کئے۔ زمانہ قدیم کے فتنہ کی سرکوبی رومیؒ نے کی اور موجودہ دور کے فتنوں کی سرکوبی کرنے کے لئے مجھے مامور کیا گیا ہے۔

احقر کے نزدیک علامہ کی تعلیم کا خلاصہ

مولانا علی میاں ندویؒ نے علامہ اقبالؒ کی شخصیت کو بنانے کے لئے جن باتوں کو بنیاد قرار دیا ہے اس کے ساتھ پورا اتفاق کرتے ہوئے اب احقر اپنے الفاظ میں علامہ اقبال کے اس پیغام کو جو وہ مسلمانوں کو پستی سے نکالنے کے لئے دیتے ہیں پیش کرتا ہوں۔ اس میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے گذرے ہوئے عہد یعنی ماضی کو خوب یاد کرنا چاہئے۔ اس میں ان کا مستقبل چھپا ہوا ہے۔ ان کا شعر ہے ؎

یاد عہد رفتہ میری خاک کو اکسیر ہے

میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے

(تشریح) گذرے ہوئے زمانے کو یاد کرنا میری مٹی کے لئے اکسیر ہے اور میرا ماضی میرے مستقبل کے لئے گرہ کشا یعنی (گانٹھ کھولنی والی) ہے۔

علامہ اقبالؒ آج کے زمانے کو دور انحطاط (Decline Period) قرار دیتے ہیں۔ اس میں اجتہاد سے تقلید بہتر ہے۔ ان کا کلام ہے ؎

عہد حاضر فتنہ ہا زیر سر است ☆ طبع ناپروائے او آفت گر است

نقش بر دل معنی توحید کن ☆ چارۂ کارِ خود از تقلید کن

اجتہاد اندر زمان انحطاط ☆ قوم را برہم ہمی پیچد بساط

ز اجتہاد عالمانِ کم نظر ☆ اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

عقل آبابت ہوس فرسودہ نیست ☆ کارِ پاکاں از غرض آلودہ نیست

فکر شاں ریسد ہمی باریک تر ☆ ورع شان با مصطفیٰ نزدیک تر

ذوقِ جعفر کاوش رازی نماند ☆ آبروئے ملت تازی نماند

تنگ بر ما رہگزار دین شدہ است ☆ ہر لئیمے رازدار دین شدہ است

(ترجمہ)

۱۔ موجودہ دور اپنے سر کی کھوپڑی میں مختلف قسم کے فتنے لئے ہوئے ہے اور اس کی لاپروا طبیعت مصائب بڑھانے والی ہے۔

۲۔ اے مسلمان تو اپنے دل پر توحید کے معانی نقش کر یعنی اپنے دل میں توحید کو بسا لے۔ اور اپنے بزرگانِ دین کی تقلید کر کے اپنا چارۂ کار کر۔

۳۔ آج کے اس پستی کے دور میں اجتہاد کرنا قوم کے سرمائے کو درہم برہم کرتا ہے۔

۴۔ موجودہ دور کے کم نظر عالموں کے اجتہاد سے گذرے ہوئے دور کے بزرگوں کی اقتداء یعنی تقلید کرنا بہتر ہے۔

۵۔ آپ کے آباواجداد کی عقل لالچ سے متاثر نہیں ہے۔ پاک لوگوں کے کام کاج اغراض میں لت پت نہیں ہوتے ہیں۔

۶۔ وہ اس قدر باریک بین تھے کہ ان کی فکر باریک سے باریک بات کو سوت کی طرح کاتتی تھی یعنی وہ بڑے باریک بین اور فہیم تھے اور ان کی پرہیزگاری حضور ﷺ کی تعلیم سے بہت قریب تھی۔

۷؎ آج کے دور میں حضرت جعفرؓ (جو حضور ﷺ کے چچازاد بھائی تھے) جیسا دین کا ذوق نہ رہا اور امام رازی نے دین کے نکتے سمجھانے میں جو کوشش کی ہے وہ بھی نہ رہی۔ لہٰذا ملت عرب کی وہ آبرو بھی نہ رہی۔

۸؎ دین کا راستہ ہمارے لئے تنگ ہوا ہے آج ہر کمینہ دین کا راز دار ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

اپنے ماضی سے رشتہ جوڑنے کے لئے وہ جوانوں کو جو پیغام دینا چاہتے ہیں وہ اس طرح ہے ؎

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے ☆ وہ کیا گردوں ہے تو جس کا اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں ☆ کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سرِ دارا
تمدن آفریں، خلاق آئیں جہانداری ☆ وہ صحرائے عرب یعنی شتر بانوں کا گھوارا
سماں الفقر فخری کا رہا شانِ امارت میں ☆ بہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را
گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے ☆ کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا
غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشین کیا تھے ☆ جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا
اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں ☆ مگر میرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی ☆ کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت وہ سیارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی ☆ ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ ایک عارضی شئے تھی ☆ نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی ☆ جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا
غنی روزِ سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن ☆ کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخا را

(آخری شعر کی تشریح) یہ شعر غنیؔ کشمیری کا ہے جو علامہ اقبال نے وزن اور مناسبتِ کلام کی وجہ سے یہاں ادھار لایا ہے اس شعر میں غنیؔ نے حضرت یعقوبؑ کی طرف اشارہ کیا جو کنعان

میں رہتے تھے اور جن کا ہر دل عزیز بیٹا یوسفؑ ان کے سوتیلے بھائیوں نے حسد کی وجہ سے کنویں میں ڈالا تھا جو بڑا خوبصورت تھا۔ وہاں سے ان کو قافلہ والوں نے اٹھا کر مصر میں بیچ ڈالا۔ جہاں عزیز مصر نے انہیں خریدا اور ان کی بیوی حسن یوسفؑ پر عاشق ہوگئی اور ہر دم حسنِ یوسف کو دیکھ کر اس کی آنکھیں ٹھنڈک محسوس کرتی تھیں۔ حالانکہ اس کا زیادہ حقدار حضرت یعقوب تھا لیکن تقدیر کے نوشتے نے انہیں مصر پہنچا کر عزیز مصر کے گھر کی زینت بنایا۔ یہی حال نادر اسلامی کتابوں کا ہے جو آج کل مسلمانوں کے بجائے یورپ کی لائبریوں کی زینت بنی ہوئی ہیں۔

دعوت عمل

علامہ اقبالؒ خیالی دنیا کے باشندے نہیں تھے۔ وہ عمل پر یقین رکھتے تھے ؎

عمل سے زندگی بنتی جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

وہ فرماتے ہیں ؎

لذت ایمان فزاید در عمل
مردہ آں ایمان کہ ناید در عمل

(ترجمہ) عمل ایمان کے مزے کو بڑھا دیتی ہے وہ ایمان مردہ ہے جو عمل میں نہ آئے یعنی انسان کو عمل کے لئے نہ ابھارے۔

با تو گویم سر اسلام است شرع
شرع آغاز است و انجام است شرع

(ترجمہ) آمیں تجھ سے بتاؤں کہ اسلام کا سر یعنی راز شرع میں چھپا ہوا ہے شریعت ہی ابتداء ہے اور شریعت ہی انتہا ہے۔

میرے مرشد حضرت مولانا عبدالولی شاہؒ صاحب خلیفہ و مجاز حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اکثر فرماتے تھے کہ تکمیل ایمان از عمل اور ضعف ایمان از ترک عمل۔ پھر اس کا یہ مطلب بیان فرماتے کہ اہل سنت والجماعت کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ ایمان مکمل بن جاتا ہے عمل سے اور ایمان میں ضعف آتا ہے اعمال ترک کرنے سے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

در عمل پوشیدہ مضمونِ حیات ☆ لذتِ تخلیق قانونِ حیات

(ترجمہ) زندگی کا مضمون (Subject) عمل میں چھپا ہوا ہے۔ انسان کو اپنی پیدائش کے مقصد سے لذت یاب ہونے کے لئے یہی عمل دستورِ حیات ہے۔

اے کہ می داری کتابش در بغل
تیز تر نہ پا بہ میدانِ عمل (اقبالؒ)

اے وہ مسلمان جو بغل کے اندر خدا کی کتاب کو لئے ہوئے ہے تو بڑی تیزی کے ساتھ میدانِ عمل میں قدم رکھ۔

شفقت علی الخلق

حضرت علامہ اقبال حضور ﷺ کے ایک سچے امتی کی طرح پوری انسانیت کو ادب اور شفقت کی تعلیم دیتے ہیں۔ جب وہ کسی نوجوان کو اس حال میں دیکھتے ہیں جو ادب سے محروم ہوتا ہے تو ان پر غم کا پہاڑ ٹوٹتا ہے۔ ان کا شعر ہے۔

نوجوانے را چو بینم بے ادب ☆ روزِ من تاریک گردد ہمچو شب

(ترجمہ) جب میں کسی نوجوان کو بے ادب دیکھتا ہوں تو میرا دن رات کی تاریکی میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ گویا میرے اوپر اندھیرا چھا جاتا ہے۔

دین سراپا سوختن اندر طلب ☆ انتہایش عشق و آغازش ادب

(ترجمہ) دین سچی طلب کے ساتھ اپنے آپ کو جلانے یا مٹانے کا نام ہے۔ اس کی انتہا عشق ہے لیکن ابتداء ادب کا دامن تھام لینے سے ہوتی ہے

از زمانِ خود پشیمان می شوم ☆ در قرونِ رفتہ پنہاں می شوم

(ترجمہ) اپنے موجودہ زمانے کے حالات دیکھ کر پریشان ہوجاتا ہوں۔ اور گذرے ہوئے زمانے کی یادوں میں گم سم ہوجاتا ہوں

آدمیت احترامِ آدمی ☆ باخبر شو از مقامِ آدمی

(ترجمہ) انسانیت دوسرے انسانوں کا احترام کرنے کا نام ہے۔ اے مخاطب تو حضرت انسان کے مقام سے باخبر ہوجا۔

بندۂ عشق از خدا گیرد طریق ☆ می شود بر کافر و مومن شفیق

(ترجمہ) ایک سچا عاشق خدائی یا اللہ والا راستہ اختیار کرکے ہر کافر اور مومن پر شفیق بن جاتا ہے۔

طلبِ محبوب

علامہ اقبال کو حضور ﷺ کے ساتھ والہانہ عشق تھا ہمیں بھی دعوت دیتے ہیں کہ ایک مسلمان کو سچے دل کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا عاشق یعنی فدوی بننا چاہئے ۔

عاشقی آموز و محبوبے طلب ☆ چشمِ نوحے قلبِ ایوبے طلب

(ترجمہ) اے مسلمان عاشقی سیکھ اور اپنا پسندیدہ محبوب تلاش کر۔ ایسا کرنے کے لئے حضرت نوح کی طرح رونے والی آنکھیں اور حضرت ایوب جیسا دل تلاش کر۔

کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے ☆ بوسہ زن بر آستانِ کاملے

مٹھی بر مٹی سے کیمیا پیدا کر اور اسکے لئے کسی کامل کے آستانے کی بوسہ زنی کر۔

شمع خود را ہمچو رومی بر فروز ☆ روم را در آتشِ تبریز سوز

(ترجمہ) اپنی شمع کو مولانا رومیؒ کی طرح روشن کر۔ روم کو تبریز کی آگ میں جلا ڈال۔ یعنی جس طرح مولانا رومیؒ نے شمس تبریزی کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا تو بھی کسی کامل کے سامنے اپنا یقین مظبوط کرنے کے لئے زانوئے ادب تہہ کر۔

ارکانِ اسلام اور اقبالؒ

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ کلمہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج۔ علامہ نے ان کا فلسفہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

پہلا رکن: تا عصائے لا الٰہ داری بدست
ہر طلسم خوف را خواہی شکست

دوسرا رکن: لا الٰہ باشد صدف گوہر نماز
قلبِ مسلم را حجِ اصغر نماز
در کفِ مسلم مثالِ خنجر است

قاتلِ فحشاء وبغی ومنکر است

تیسرا رکن: روزہ برجوع وعطش شب خوں زند
خیبر تن پروری را بشکند

چوتھا رکن: حب دولت را فنا سازد زکوٰۃ
ہم مساوات آشنا سازد زکوٰۃ
دل ز حتیٰ تنفقو محکم کند
زر فزاید الفتِ زر کم کند

پانچواں رکن: مومناں را فطرت افروزاست حج
ہجرت آموز ووطن سوزاست حج

(ترجمہ)

(پہلا رکن) جب تک لا الٰہ کا عصا تیرے ہاتھ میں ہے تب تک تو خوف کے ہر طلسم کو توڑ سکتا ہے۔

(دوسرا رکن) لا الٰہ صدف (سیپی) ہے اور نماز گوہر ہے۔ مسلمان کے دل کے لئے نماز حجِ اصغر ہے۔ یہ نماز مسلمان کے ہاتھ میں مثلِ خنجر ہے جو فحش کاموں کی قاتل اور بری باتوں کے خلاف بغاوت ہے۔

(تیسرا رکن) روزہ بھوک اور پیاس کے خلاف رات کے حملے کی طرح ہے اور تن پروری کے خیبر کو فتح کرتی ہے اسی طرح جس طرح صحابہؓ نے یہودیوں کے مضبوط قلعہ کو فتح کیا تھا۔

(تیسرا رکن) زکوٰۃ دولت کی محبت کو فنا کر دیتی ہے اور زکوٰۃ آدمی کو مساواتِ آدم کے جذبے سے آراستہ کرتی ہے۔ آدم کے دل کو حتیٰ تنفقوا کے جذبہ سے سرشار کرتی ہے مال کو بڑھاتی ہے لیکن مال کی محبت کو کم کر دیتی ہے۔ حتیٰ تنفقوا کا مطلب یہ ہے کہ جب تک تم محبوب چیزوں کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرو گے تب تک نیکی کے کمال کو نہیں پہنچ سکتے ہو۔

(پانچواں رکن) اسی طرح حج مومنوں کو زینت بخشتا ہے، ہجرت کا درک دیتا ہے اور وطن پرستی کا

جذبہ ختم کرتا ہے۔

پھر ان پانچوں کے متعلق فرماتے ہیں۔

ایں ہمہ اسباب استحکام تست ☆ پختۂ محکم اگر اسلام تست

(ترجمہ) یہ سب مذکورہ بالا اعمال تجھے استحکام (stability) بخشیں گے شرط یہ ہے کہ اگر تیرا اسلام پختہ اور محکم ہے یعنی تو یہ سب اعمال یقین کے ساتھ کرنے والا ہو۔

زمانہ سازی کی مخالفت

اس سلسلے میں فرماتے ہیں۔

حدیث بے خبراں است کہ تو بازمانہ ساز ☆ گر زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز
با جہاں نا مساعد ساختن ☆ ہست در میدان سپر انداختن
مرد خود دارے کہ باشد پختہ کار ☆ با مزاج او بسازد روزگار
گر نہ سازد با مزاج او جہاں ☆ می شود جنگ آزما با آسماں
بر کند بنیاد موجودات را ☆ می دہد ترکیب نو ذرات را
گردشِ ایام را برہم زند ☆ چرخِ نیلی فام را برہم زند
می کند از قوت خود آشکار ☆ روزگارِ نو کہ باشد روزگار
در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست ☆ ہمچو مرداں جان سپردن زندگیست
آزماید صاحب عقل سلیم ☆ زور خود را از مہماتِ عظیم
عشق با دشوار ورزیدن خوش است ☆ چوں خلیل از شعلہ گل چیدن خوش است

(ترجمہ) یہ بے خبر لوگوں کی کہی ہوئی بات ہے کہ تو زمانہ ساز بن۔ اگر زمانہ تیرے موافق نہیں ہے تو اس کے ساتھ ٹکر کھا۔ نامساعد حالات کے ساتھ موافقت کرنا گویا سپر انداز ہونا ہے میدان کارزار میں جو خوددار آدمی کہ پختہ کار ہوتا ہے اس کے ساتھ زمانہ ہی صلح جوئی کی کوشش کرتا ہے۔ اگر زمانہ اس کے مزاج کے ساتھ موافقت نہیں کرتا ہے تو وہ زمانے کے ساتھ ٹکر لیتا ہے۔ وہ موجودات کی بنیادوں کو اکھیڑتا ہے اور ذرات کو نئی ترکیب دیتا ہے۔ وہ زمانے کی گردش کو الٹ پلٹ دیتا ہے۔ نیلے آسمان کو بھی درہم برہم کر دیتا

ہے۔ وہ اپنے مضبوط عزم سے خود ہی ایک ایسا زمانہ تشکیل دیتا ہے جو اس کے لئے سازگار ہوتا ہے۔ اگر تو مردوں کی طرح دنیا میں نہیں جی سکتا تو مردوں کی طرح جان کی بازی لگانا ہی اصل زندگی ہے (اس کی حیات اس کی شہادت میں ہی ہوتی ہے)۔ ایک صاحب عقل آدمی اپنی قوت کو خود بڑی مہموں میں ڈال کر اپنے آپ کو آزماتا ہے۔ عشق یہی تقاضے کرتا ہے کہ مشکلات کے سامنے آدمی سینہ سپر ہو جائے اور پھر حضرت خلیل الرحمٰن کی طرح آگ سے پھول چن لے۔

اخلاص

اخلاص کی تلقین علامہ اپنے پر اثر کلام میں اس طرح کرتے ہیں ؎

شیوہ اخلاص را محکم بگیر ☆ پاک شو از خوف سلطان و امیر
تابع حق دیدنش نادیدنش ☆ خوردنش، نوشیدنش خوابیدنش
قرب حق از ہر عمل مقصود دار ☆ تا ز تو گردد جلالش آشکار
صلح شر گردد چو مقصد است غیر ☆ گر خدا باشد غرض جنگ است خیر
واعظاں ہم صوفیاں منصب پرست ☆ اعتبار ملت بیضا پرست
واعظ ما چشم بر بتخانہ دوخت ☆ مفتی دیں مبین فتویٰ فروخت
چیست یاراں بعد ازیں تدبیر ما ☆ رخ سوئے میخانہ دارد پیرِ ما

(ترجمہ اشعار) اخلاص کے طرز عمل کو مضبوطی سے پکڑ۔ بادشاہوں اور حاکموں کے خوف سے پاک ہو جاؤ۔ ایک مخلص آدمی کا دیکھنا اور نہ دیکھنا۔ کھانا، پینا اور سونا خدا کے حکم کی تابعداری کے ساتھ ہوتا ہے۔ ہر عمل میں اللہ کا قرب یعنی اس کی رضا مندی مدنظر رکھتا کہ اس کا جلال تجھ سے ظاہر ہو جائے۔ مطلب یہ کہ مرد مومن سے ایسا جلال ٹپکتا ہے کہ ہر چیز اس سے ڈرتی ہے۔ خیر میں سے شر ظاہر ہو جاتا ہے جب نیت میں خلوص نہیں ہوتا ہے اور اگر خدا کی رضا مدنظر ہوگی تو اللہ جنگ اور لڑائی میں سے خیر ظاہر فرماتا ہے۔ ہائے افسوس واعظ کی نظر بتخانہ پر ہے یعنی وہ دنیا کے حقیر مفادات کے پیچھے لگا ہوا ہے اور دینِ مبین کا مفتی دین فروش بن گیا ہے۔ اے دوستو بتاؤ اب ہم کون سی حکمت عملی اختیار کریں گے کیونکہ ہمارے قائد مذموم دنیا کی طرف رخ کئے ہوئے ہیں۔

اسی طرح ایک جگہ اپنے اردو کلام میں فرماتے ہیں ؎

جس کا عمل ہے بے غرض اسکی جزا کچھ اور ہے ☆ حور و خیام سے گذر، بادہ و جام سے گذر

تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سرور ☆ ایسی نماز سے گذر، ایسے امام سے گذر

(کلیات اقبال)

جاہل پیروں سے نفرت

مے شود ہر مو دراز ے خرقہ پوش ☆ آہ ازیں سوداگرانِ دیں فروش
با مریداں روز و شب اندر سفر ☆ از ضرورت ہائے ملت بے خبر

(ترجمہ) آج ہر لمبے بال رکھنے والا فقیروں کا لباس پہنے ہوئے ہے یعنی نقلی درویشی اختیار کئے ہوئے ہے ایسے دین فروش سوداگروں پر افسوس ہے۔ یہ نقلی درویش دن رات اپنے مریدوں کے ساتھ سفر میں ہوتے ہیں اور ملت بیضا کی ضرورت سے بے خبر ہیں۔

مغربی اور مشرقی علوم میں فرق

اے کہ در مدرسہ جوئی دانش و ذوق ☆ نخرد ما دہ کس از کارگہ شیشہ گراں
خرد افزود مرا درس حکیمان فرنگ ☆ سینہ افروخت مرا صحبت صاحب نظراں

(ترجمہ) اے وہ شخص جو مدرسہ میں دانش اور ذوق ڈھونڈتا ہے کوئی عقلمند شیشہ فروشوں یعنی نقلی سوداگروں سے کوئی چیز نہیں خریدتا ہے۔ یورپ کے فلسفیوں کے درس نے میری عقل کو روشن کیا لیکن صاحب نظر لوگوں کی صحبت نے میرے دل کو منور کیا۔

نظامِ یورپ تہہ و بالا ہونا چاہئے

نکتہ ہا از پیرِ روم آموختم ☆ خویش را در حرف او آموختم
مال را گر بہر دیں باشی حمول ☆ نعم مالٌ صالحٌ خواندش رسول
گر نہ داری اندریں حکمت نظر ☆ تو غلام و خواجۂ تو سیم و زر
تا نہ دانی نکتۂ اکل حلال ☆ بر جماعت زیستن گردد وبال
آہ یورپ زیں مقام آگاہ نیست ☆ چشم او ینظر بنور اللہ نیست
او نداند از حلال و از حرام ☆ حکمتش خام و کارش ناتمام
اُمتے بر امتِ دیگر چرد ☆ دانہ ایں کارد و آں حاصل برد
از ضعیفاں نان ربودن حکمت است ☆ از تن شان جان ربودن حکمت است
شیوہ تہذیب نو آدم دری است ☆ پردۂ آدم دری سوداگری است

ایں بنوک ایں فکرِ چالاک یہود ☆ نو رحق از سینۂ آدم ربود

تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام ☆ دانش وتہذیب ودیں سودائے خام

(ترجمہ) میں نے پیر رومؒ سے نہایت ہی مفید باتیں سیکھ لیں پھر میں ان سبق آموز حروف کو گلے لگایا یعنی ان سے سبق حاصل کیا۔اس نے مجھے بتایا کہ اگر تو مال کو دین پر خرچ کرنے کے لئے اسے سواری کا کام لے گا تو ایسے مال کو حضور ﷺ نے صالح مال کے خطاب سے نوازا۔اگر اس حکمت پر تمہاری نظر نہیں ہوگی تو تم مال وزر کے غلام ہو۔جب تک تو اکل حلال یعنی پاک کمائی کے راز سے واقف نہیں ہو جائے گا تو تمہاری زندگی قوم کے لئے وبال جان بن جائے گی۔ہائے افسوس! یورپ اس مقام یعنی حلال کمائی کے راز سے واقف نہیں ہے لہٰذا وہ آنکھ جو اللہ کے نور سے دیکھتی ہے یورپ اس آنکھ سے محروم ہے۔وہاں کا حال یہ ہے کہ ایک قوم دوسرے قوم کا خون چوس کر پلتی ہے۔بیج ایک بوتا ہے اور غلہ دوسرا غصب کرتا ہے۔کمزوروں کی روٹی روزی چھیننے کو حکمت کا خوبصورت نام دیا ہے اور کمزوروں کے جسم سے جان لینا حکمت اور دانائی تصور کی جاتی ہے۔اس نئی تہذیب کا طور طریقہ لوگوں کو پھاڑنا ہے اور لوگوں کی چیر پھاڑ کرنے کو سوداگری کا خوبصورت نام دیا ہے۔اس بینک کاری کے نظام اور یہودی لوگوں کی چالاکی نے انسان کے سینے سے اللہ کے نور کو اچک لیا ہے یعنی انسان کے نورانی قلب کو سیاہ کر دیا ہے۔

اقبال کی ازواج واولاد کی تفصیل

کس سال شادی ہوئی	کہاں ہوئی	کس کے ساتھ ہوئی	اولاد کی تفصیل
1893ء	گجرات	کریم بی بی	مریم۔آفتاب اقبال
1914ء	لاہور	سردار بیگم	جاوید۔منیرہ
1914ء	لدھیانہ	مختار بیگم	نامعلوم

پوری انسانیت کا درد سینے میں کئے ہوئے اس عظیم مفکر کی وفات ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو ہوئی۔

ختم شد

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی اقبال شناشی-نقوشِ اقبال کے آئینے میں

(از ڈاکٹر فیض احمد فیاضؔ پی۔ایچ۔ڈی اقبالیات کشمیر یونیورسٹی)

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی ہمہ جہت شخصیت اور ہمہ گیر علمی،دینی،ادبی،تدریسی اور اصلاحی خدمات محتاجِ تعارف نہیں۔ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے انہیں کشمیر یونیورسٹی نے ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی سند اور اکملۃ العربیہ نے شاہ فیصل ایوارڈ سے نوازا۔نیز بیت اللہ شریف کی کلید برداری کی سعادت بھی انہیں حاصل ہوئی۔حضرت مولانا ایک ہی وقت میں داعی، مسلح،مبلغ،صوفی،خطیب،دانشور،قائد،مصنف سفیر،مورخ،محقق اور ادیب تھے۔انہوں نے مختلف موضوعات پر تقریباً ساڑھے تین سو کتابیں تصنیف وتالیف کیں۔جن میں بہت کتابوں کا ترجمہ انگیزی ،فارسی،عربی،ترکی،ہندی،ملیالم،بنگلہ،فرنچ،ملیشائی،اسپینی وغیرہ زبانوں میں کیا گیا۔حضرت مولانا ایک دُرۂ یکتا ،گوہر نایاب تھے۔وہ پوری دنیا میں اسلام کی تہذیبی،ادبی،لسانی اور ثقافتی شناخت تھے۔لیکن جس تصنیف نے ان کی شناخت حلقۂ اقبالیات میں قائم رکھی وہ ”نقوشِ اقبال“ ہے۔

علامہ اقبالؒ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے پسندیدہ شاعر تھے۔اقبال سے ان کی مناسبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب ان کی عمر سولہ سال کی تھی تو انہیں اقبال سے پہلی ملاقات کرنے کا شرف حاصل ہوا ۔ڈاکٹر عبداللہ چغتائی اس ملاقات کا ذریعہ بنے۔حضرت مولانا نے اقبال کی ایک نظم ”چاند“ کا عربی ترجمہ کیا تھا۔جو انہوں نے اقبال کو دکھایا۔اقبال نے اس ترجمہ کو بہت پسند کیا اور مترجم کو دادِ تحسین پیش کیا۔علامہ اقبال سے دوسری ملاقات کا شرف انہیں ۲۲ نومبر ۱۹۳۷ء کو ہوا۔اس ملاقات کا ذریعہ سید محمد طلحہ حسنی بنے۔یہ زمانہ اقبال کی طویل علالت کا زمانہ تھا۔لیکن اس کے باوجود اقبال بڑے نشاط وانبساط کے ساتھ ان سے باتیں کرتے رہے اور مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔

حضرت مولانا خود کو علامہ اقبالؒ کا ہم نوا اور ہم خیال سمجھتے تھے وہ اقبال کو اسی لئے پسند کرتے تھے کہ وہ ان کے معیار پر پورا اترتا تھا ان کی پسند اور توجہ کا مرکز وہ اسی لئے بنے کہ اقبال ایمان وعمل،جوش و محبت اور انسان وانسانیت کے شاعر ہیں۔چنانچہ خود فرماتے ہیں:

”میں نے کلام اقبال کو عام طور پر اسی لئے پسند کیا کہ وہ میری پسند کے معیار پر پورا اترتا ہے اور میرے جذبات ومحسوسات کی ترجمانی کرتا ہے۔وہ میرے فکر وعقیدہ ہی کے ساتھ ہم آہنگ نہیں بلکہ اکثر میرے شعور اور احساسات کا بھی ہم نوا بن جاتا ہے۔سب سے بڑی چیز جو مجھے ان کے فن کی طرف لے گئی وہ بلند حوصلگی،محبت

اور ایمان ہے جس کا حسین امتزاج ان کے شعر اور پیغام میں ملتا ہے اور جس کا ان کے معاصرین میں کہیں پتا نہیں لگتا۔ میں بھی اپنی طبعیت اور فطرت میں انہی تینوں کا دخل پاتا ہوں...... میری پسند اور توجہ کا مرکز وہ اسی لئے ہیں کہ وہ بلند نظری کے شاعر ہیں۔ وہ اسلام کی عظمت رفتہ اور مسلمانوں کے اقبال گذشتہ کے لئے سب سے زیادہ فکر مند، تنگ نظر قومیت و وطنیت کے سب سے بڑے مخالف اور انسانیت و اسلامیت کے عظیم داعی ہیں"

حضرت مولانا اور علامہ اقبال کو پڑھنے کے بعد ان کے ہاں فکری مماثلت اور ذہنی ہم آہنگی دکھائی دیتی ہے۔ دونوں پیغام انسانیت کے داعی ہیں۔ دونوں جوانوں کو اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ دونوں کی فکر کی بنیاد قرآن اور سنت پر ہے۔ دونوں مسلمانوں کا مستقبل تابناک اور روشن دیکھنا چاہتے تھے۔ حضرت مولانا اور علامہ اقبال کی فکری مماثلت پر بات کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد لقمان خان صاحب رقمطراز ہیں:

"دونوں حضرات (یعنی حضرت مولانا اور علامہ اقبال) تمام عمر اتحاد و اتفاق نیز علم و عمل کی تلقین کرتے رہے۔ افراد ملت کو عزت نفس کے ساتھ جینے کا پیغام دیا۔ تصوف کو کتاب و سنت کی روشنی میں پیش کر کے اسے تہذیب نفس اور روحانی کمالات کے اکتساب کا الہامی طریقہ بتانے کی سعی کی۔ عالم اسلام اور دینی مسائل پر ان کی گہری نظر تھی دونوں حضرات دشمنانِ اسلام کی سازشوں سے باخبر بھی رہے اور ان کے سدباب کے لئے کوشاں اور متفکر بھی! دونوں مفکرین اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ دین مبین کی ترقی کا انحصار نئی نسل پر ہے۔"

حضرت مولانا علامہ اقبال کے فکر و فن کے قائل ہیں لیکن وہ ان کی مدح سرائی میں حد سے تجاوز بھی نہیں کرتے۔ اقبال کے ہاں اسلامی عقیدہ کی ایسی تعبیریں بھی ملتی ہیں جن سے ان کا اتفاق کرنا بہت مشکل نظر آتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"میں بعض پرجوش نوجوانوں کی طرح اس کا قائل نہیں کہ اسلام کو ان سے بہتر کسی نے سمجھا ہی نہیں اور اس کے علوم و حقائق تک ان کے سوا کوئی پہنچا ہی نہیں، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ میں اپنی زندگی کے ہر دور میں میں اس کا قائل رہا کہ وہ اسلامیات کے محض طالبِ علم رہے اور اپنے مقتدر معاصرین سے برابر استفادہ ہی کرتے رہے۔ ان کی نادر شخصیت میں بعض ایسے پہلو بھی ہیں جو ان کے علم و فن اور پیغام کی عظمت سے میل نہیں کھاتے۔"

حضرت مولانا اقبال سے بعض اختلافات رکھنے کے باوجود ان کی اولوالعزمی کا اعتراف کرتے ہیں۔ وہ انہیں اپنے معاصر کا سب سے بڑا شاعر اور مفکر تسلیم کرتے ہیں وہ جب بھی ان کا کلام پڑھتے تو دل خوشی سے

امنڈنے لگتا اور جذبات انگڑائیاں لینی شروع کر دیتی۔

نقوشِ اقبال دراصل عربی کتاب "روائع اقبال" کا اردو ترجمہ ہے۔ جس کے مترجم مولوی شمس تبریز صاحب ہیں۔ یہ کتاب دورانِ مسافرت لکھی گئی اور اس کے لکھنے کا مقصد عرب نوجوانوں کو کلام و پیام اقبال سے متعارف کرانا اور ان کے نیک عزم و ارادہ کو حرکت میں لانا تھا چنانچہ اس کتاب کے ابتداء میں "میرا تعلق اقبال اور ان کے فن سے" عنوان کے تحت فرماتے ہیں:

"یہی (یعنی نقوشِ اقبال) وہ بہترین فکری ہدیہ ہے۔ جو ہم اسلام کی نئی نسل اور اٹھتے اور ابھرتے ہوئے جوانانِ عرب کو دے سکتے ہیں، میں یہ کتاب پیش کرتے ہوئے امیدوار ہوں کہ شاید اس سے عزم و ارادہ کو حرکت میں لانے، طبیعتوں کا جمود توڑنے، سوئی ہوئی غیرت و حمیت کو جگانے کا کوئی سامان اور فکر و ادب کو نیا موڑ دینے کا کوئی رجحان پیدا ہو۔"

علامہ اقبالؒ کی شخصیت اور فکر و فن سے متعلق آج تک سینکڑوں مقبول عام کتب شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن جو غیر معمولی مقبولیت چند گنی چنی کتابوں کو چھوڑ کر اس کتاب کو حاصل ہوئی وہ دوسری کتب کو حاصل نہ ہو سکی۔ اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا پہلا ایڈیشن سال بھر کے اندر ہی ختم ہو گیا اور ۱۹۹۴ء تک یکے بعد دیگرے اس کے سات ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کتاب پر کئی مشہور و معروف دینی و ادبی شخصیتوں نے اپنے تاثرات لکھے ہیں۔ پاکستان میں کتاب کے پہلے اردو ایڈیشن کے نکلنے پر علامہ اقبالؒ کے صاحبزادہ گرامی جسٹس جاوید اقبال اپنے تاثرات یوں بیان کرتے ہیں:

"آپ (حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ) نے فکر اقبال کے مختلف پہلوؤں کو ایسے پیش کیا ہے جیسے اغلباً اقبال محسوس کرتے، چاہتے تھے۔"

مشہور و معروف دینی شخصیت ماہر القادری اس کتاب کے متعلق اپنی رائے یوں پیش کرتے ہیں:

''فاضل مصنف نے جس حسنِ نزاکت اور دیدہ وری کے ساتھ اشعارِ اقبالؒ کی تشریح وترجمانی کی ہے،اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔کتاب پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے شبلی کا قلم،غزالی کی فکراورابن تیمیہ کا جوش واخلاص اس تصنیف میں کارفرما ہے۔''

پروفیسر رشید احمد صدیقی اس کتاب کے مقدمہ میں رقمطراز ہے:

''موصوف (یعنی ابوالحسن علی ندویؒ) نے اقبال کے کلام اور شخصیت اوران کی بعض مقبول ترین شاہکار نظموں بالخصوص ''ارمغانِ حجاز'' پر اپنے خیالات وتاثرات کا جس خوبی اور خوبصورتی سے اظہار کیا ہے اس کا صحیح اندازہ ''نقوشِ اقبال'' یا عربی ایڈیشن ''روائع اقبال'' سے ہوسکتا ہے عرب کا ریگزار، پائے مار اپر نیا آید ہمی، اقبال جیسے عاشق رسول کا مدینہ طیبہ کا تصوراتی سفر، **تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست** کے زیر وبم پر اونٹی کا خرام اپنے تاثرات کا طرح طرح سے اظہار اور اسی اعتبار اس سے چلنے کی فرمائش کرنا اور ترغیب دیتے جانا،ان سب کو کلام وخرام کے مطابق عربی میں ڈالنا سید صاحب کی عربی انشاپردازی کا مکمل اور قابل آفرین نمونہ ہے۔.....موصوف نے اقبال کی تائید وترجمانی جس خوبی سے کی ہے اس سے میرے ایک دیرینہ خیال کی تصدیق ہوتی ہے کہ اقبال کا کلام ہمارے لئے اس صدی کا علم کلام ہے، جو ایک نامعلوم اور طویل مدت تک تازہ رہے گا۔''

مولانا حقانی القاسمی اپنے ایک مضمون ''ابوالحسن علی ندویؒ کا نثری بیانیہ'' میں اس کتاب کی تعریف یوں کرتے ہیں:

''نقوشِ اقبال ایک ایسی کتاب ہے جو اقبالیات پر محض ایک اضافہ نہیں بلکہ اقبال شناسی میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔اقبال کی جملہ فکری عناصر کی تفہیم کا حق انہوں نے ادا کر دیا اور ایسا مولانا ہی کر سکتے تھے''

اس وقت تین سو پنتیس (۳۳۵) صفحات پر مشتمل ''نقوشِ اقبال'' میرے سامنے موجود ہے ''میرا تعلق اقبال اوران کے فن سے''''اقبال کی شخصیت کے تخلیقی عناصر''''اقبال اور مغربی تہذیب وثقافت''''اقبال اور عصری نظام تعلیم''''انسانِ کامل اقبال کی نگاہ میں''''اس مجموعہ کے اہم مضامین ہیں۔اس کے علاوہ ابلیس کی مجلسِ شوریٰ''''مسجدِ قُرطبہ''''ذوق وشوق''''طارق کی دعا''اور''ساقی نامہ'' جیسی مشہور معروف نظموں پر بے لاگ و بے نظیر تبصرہ بھی ہے۔''اقبال اور مغربی تہذیب و ثقافت اصل میں موصوف کی کتاب ''مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش'' سے ماخوذ

ہے۔''شاعر اسلام اقبال-حیات وخدمات ''اس مجموعہ کا دوسرا مجموعہ ہے۔جو ۱۹۵۱ء میں لکھا گیا اور اسی سال سعودی ریڈیو سے نشر کیا گیا۔''اقبال کی شخصیت کے تخلیقی عناصر''اور''اقبال اور عصری نظام تعلیم''مضامین ۲۸ مارچ ۱۹۵۱ء کو قاہرہ کے مشہور تعلیمی مرکز اور دانشگاہ میں پڑھے گئے۔''انسان کامل-اقبال کی نگاہ میں''مضمون قاہرہ یونیورسٹی میں پڑھنے کے لئے لکھا گیا تھا اور ۱۰ اپریل ۱۹۵۱ء کو یونیورسٹی یونین کے حال میں طلبہ اور اساتذہ کے سامنے پڑھا بھی گیا۔''اقبال درِ دولت پر'' موصوف کی اس عربی تقریر کا ترجمہ ہے جو''اقبال فی مدینۃ الرسول'' کے عنوان سے ۱۹۵۶ء میں دمشق ریڈیو اسٹیشن سے نشر ہوا۔''اقبال درِ دولت پر'' کے نام سے ترجمہ مولوی محمد الحسنی کا ہے ۔''اقبال کے کلام میں تاریخی حقائق واشارات''اس کتاب کا اور ایک خوبصورت مضمون ہے جو اردو میں اصلاً شکاگو،امریکہ کی ایک علمی مجلس میں پڑھنے کے لئے لکھا گیا اور اس کا انگریزی ترجمہ ڈاکٹر محمد آصف قدوائی نے تیار کیا تھا۔''شعروادب کو نیارخ دینے میں اقبال کا تاریخی کردار''اس کتاب کا آخری مضمون ہے جو موصوف نے عربی میں ''دورِ اقبال فی توجیہہ الادب والشعر'' کے عنوان سے مدینہ طیبہ کی ایک ادبی انجمن میں پڑھنے کے لئے لکھا تھا۔اس طرح اس وقیع مجموعہ کے مضامین مختلف موقعوں پر مختلف انجمنوں اور محفلوں میں پڑھنے کے لئے لکھے گئے۔کتاب کا مطالعہ کرنے سے بھی یہ بات واشگاف ہو جاتی ہے۔''اقبال اور فنونِ لطیفہ''''اقبال اور قومیت و وطنیت''اور ''عورت اقبال کے کلام میں'' یہ تین مضامین اس کتاب میں مترجم کی طرف سے اضافہ ہیں ۔جیسا کہ پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ ''نقوشِ اقبال'' دراصل ''روائع اقبال'' کا ترجمہ ہے۔یہ کتاب عربی میں لکھی گئی۔اس کے اولین مخاطب عرب تھے اور یہ انہیں کو سامنے رکھ کر لکھی گئی تھی ۔اس کتاب کا مقصد عرب ممالک میں اقبال کا تعارف کرانا اور ان کے افکار کا اجمالی جائزہ لینا تھا ۔اس لحاظ سے عرب دنیا میں اس کتاب کی اہمیت بہت بڑی ہے۔علی میاں ندویؒ سے پہلے عرب کے مشہور ومعروف ادیب جناب عبدالوہاب عزام نے ''پیام مشرق''اور''ضرب کلیم'' کا ترجمہ ''المشرق''اور''ضرب الکلیم'' کے عنوان سے کیا تھا۔اس کے علاوہ اسرار ورموز اور جاوید نامہ کے کچھ حصوں کا بھی عربی میں منظوم ترجمہ کیا تھا اور ایک مصری ادیب جناب عباس محمود نے بھی اقبال کی ترجمانی کی تھی ۔لیکن اس ترجمہ میں زور اور تاثیر کی کمی رہنے کی وجہ سے اقبال کے فکروفن کی واضح نقش آرائی نہیں ہوسکی ۔چنانچہ عالم عربی کے ایک جید و ثقہ اسلامی ادیب علامہ علی طنطاوی نے حضرت مولانا کے نام مجلّہ ''المسلمون'' جو دمشق سے نکلتا تھا میں ایک کھلا خط یوں لکھا۔

"کیا آپ شعرِ اقبال کے منتخب حصے کا ترجمہ کر کے ہمیں اقبال اور ان کے فکر وعقیدہ کی عظمت سمجھنے اور اس کا راز معلوم کرنے کا موقعہ عنایت کریں گے اس لئے کہ ان کے عربی ترجمے ہمارے درمیان سے اجنبیت کی دیوار کو پوری طرح نہیں ڈھا سکے ہیں۔کیا آپ اس جلیل القدر خدمت کو اپنی خدمات میں شامل کریں گے،اور اس نظروں سے اوجھل چمن زار کی سیر کا موقع دیں گے یا ہدیۂ شمیم ونکہت بھیج کر اس گلستان سے محروم لوگوں کو نوازیں گے"۔

اس خط نے حضرت مولانا علی میاںؒ کو متحرک کیا انہوں نے گرم جوشی سے اس پیش کش کا جواب دیا اور اس طرح دیا کہ عالم عرب کے علماء وفضلاء ،ادباء وشعراء کی اس تشنگی کو یکسر دور کیا ۔حضرت مولانا واقعی اقبال شناس تھے۔انہوں نے اقبال شناسوں میں نہ صرف اپنا نام درج کردیا بلکہ ایک قدم اس سے آگے بھی بڑھے۔حضرت مولانا نام نہاد ماہرینِ اقبال سے کہیں زیادہ بڑے اقبال شناس تھے۔اقبالیات کے ضمن میں ان کا جو کارنامہ ہے وہ لازوال ہے۔انہوں نے اقبال سے سچی محبت کی اور اقبال شناسی کا پورا حق ادا کیا۔ان کی یہ کتاب اقبال شناسی میں منارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔حلقۂ اقبالین ہمیشہ اس سے قدر کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔

(نیا شمارہ کیا ہوگا)

ایک شاعر نے حضرت حمزہؓ کی شہادت کے متعلق کہا ہے۔

تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را ☆ گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

(ترجمہ) اے مردِ مسلمان اگر تو دل کے زخموں کو تازہ رکھنا چاہتا ہے تو کبھی کبھی اس پر درد قصہ کو پڑھتا رہ۔مطلب یہ ہے کہ حضرت حمزہؓ کی شہادت تاریخ اسلام میں ایک ایسا دردناک قصہ ہے جس کو پڑھ کر سخت سے سخت دل بھی موم کی طرح پگھلنے لگتا ہے اور دل کے اندر رِقت طاری ہوتی ہے۔رِقت آمیز آنکھوں سے خون جگر کے قطرے جب ٹپکنے لگتے ہیں تو مسلمان کے ایمان کی پرواز اور قوت اتنی بڑھ جاتی ہے جہاں فرشتے بھی عش عش کرنے لگتے ہیں۔حضورﷺ کے چہیتے چچے کے عشق میں آنسوؤں کا بہانا امید ہے کہ کل قیامت میں حضورﷺ کی شفاعت کا باعث بنیں گے۔اسی امید پر رسالہ راہِ نجات کے خدام اپنے آنے والے شمارے کو **سید الشہداء حضرت حمزہؓ** کے نذر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ وہ کہ اللہ اس سعادت سے ہمیں نوازے اور ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے۔آمین

علامہ اقبالؒ کا تصورِ تاریخ

(امت مسلمہ کے شاندار ماضی میں)

ڈاکٹر مشتاق احمد گنائی شعبۂ اقبالیات کشمیر یونیورسٹی

علامہ اقبالؒ امت مسلمہ کی عظمت رفتہ اور اس کے مدوجزر کی روئداد سے جو گہری دلچسپی اور والہانہ لگاؤ رکھتے تھے،اس کی بدولت انہیں تاریخ کے بارے میں بھی ایک مخصوص رویہ پیدا ہو گیا تھا۔ان کی نظم ونثر کے علاوہ ان کے علمی خطبات اور مکتوبات میں ان کا یہ اندازِ نظر ایسا مربوط اور مسلسل ہے کہ ہم اسے بجا طور پر ان کا تصورِ تاریخ یا فلسفہ تاریخ سے موسوم کرتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ ماضی میں اسلامی سطوت وشوکت سے بھی زبردست متاثر تھے انہیں اسلامی اماکن اور مسلم سلاطین اور ان کے کارناموں پر فخر وناز تھا۔اس سلسلے میں ان کی معروف نظم مسجد قرطبہ شاہد عادل کی حیثیت رکھتی ہے۔اندلس میں مستحکم اسلامی سلطنت کا زوال ان کے مطابق ملت اسلامیہ کے لئے انتہائی عبرت ناک ہے جہاں سے مسلمانوں کا نام ونشان صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوشش کی گئی۔علامہ اسی عبرت آموز تاریخ سے متاثر ہو کر کہتے ہیں ؎

ہسپانیہ تو خونِ مسلمان کا امین
مانند حرم پاک ہے تو میری نظر میں

علامہ کا نظریۂ تاریخ دراصل قرآن حکیم کے تاریخ کی تعبیر وتشریح ہے۔تاریخ کے بارے میں ان کا دعویٰ ہے کہ یہ استقرائی عمل کا بہت بڑا ماخذ ہے۔اسی لئے اسے اصطلاحاً تاریخی استقراء (Historical Induction) کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔عملی صورت میں ہم اسے منطقی استقرائی (Logical Induction) کا نام دے سکتے ہیں۔دونوں سے مراد یہ ہے کہ موضوع سے متعلق حقائق کو اس طرح مرتب کیا جائے اور ان کی اس طرح درجہ بندی کی جائے کہ ان سے کسی نتیجے کا استخراج کیا جاسکے۔

علامہ اقبالؒ کے نظریات وافکار کی تشکیل وتعمیر میں تاریخ کے مطالعہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے کیونکہ یہ ہمیں مثالوں کے ذریعے قوموں کے عروج وزوال کا فلسفہ پڑھاتی ہے اور ہم ماضی سے اپنے حال اور مستقبل کی ترتیب وتہذیب میں استفادہ کرتے ہیں۔قرآنِ حکیم نے بھی قدیم اقوام کے احوال وآثار موعظت اور عبرت حاصل کرنے کے لئے بیان کئے ہیں ورنہ کوئی داستان طرازی قرآن کا مقصد نہیں۔علامہ اقبالؒ کے نزدیک جس طرح فرد جسم وروح کے باہمی

ربط سے زندہ ہے۔زندگی کی روح ختم ہوجانے سے فرد کی موت واقع ہوجاتی ہے۔قوم اپنا نصب العین ترک کرنے سے مرجاتی ہے۔قوم اپنی تاریخ کی تحریر سے زندہ رہتی ہے۔اپنی تاریخ یاد کرنے سے ہی اپنے آپ کو پہچاننے کے قابل ہوتی ہے۔اگر وہ اپنی تاریخ فراموش کردیتی ہے تو پھر معدوم ہوکر بھلادی جاتی ہے۔رموزِ بےخودی میں علامہ اقبالؒ کی یہی بازگشت یوں سنائی دیتی ہے ؎

ضبط کن تاریخ را پاینده شو☆ از نفسہائے رمیدہ زندہ شو
سر زند از ماضی تو حالِ تو☆ خیزد از حالِ تو استقبالِ تو
مشکن ارخواہی حیات لازوال☆ رشتۂ ماضی زِ استقبال وحال
موجِ ادراکِ تسلسل زندگی است☆ مے کشاں راشور قلقل زندگی است

علامہ کے بنیادی تصوات تک رسائی کے لئے دو اقتباس اہم ہیں:ایک قدیم اور جدید کے حوالے سے،اور دوسرا دینِ اسلام اور عام انسانی زندگی کے درمیان رابطہ کے حوالے سے۔فرماتے ہیں:"میرے نزدیک اقوام کی زندگی میں"قدیم"ایک ایسا ضروری عنصر ہے جیسا کہ"جدید"بلکہ میرا ذاتی میلان قدیم کی طرف ہے۔"(اقبال نامہ ج۱ص۱۴)
خطبات یعنی فکر اسلامی کی تشکیل جدید میں علامہ عصری مسلم نوجوانوں سے یوں مخاطب ہوتے ہیں:"دور جدید کے مسلمان کے سامنے،بہت بڑا کام ہے۔اس کا اولین فریضہ ماضی سے مکمل طور پر رشتہ منقطع کئے بغیر اسلام کے تمام نظام کے بارے میں مستقبل اسلام کے لئے غور وخوض کرنا ہے۔"اس بارے میں ان کے انگریزی الفاظ یوں ہے :

The task before the modern muslim is therefore immense .He has to rethink the whole system of Islam ,without completely breaking with the past .

اسی لئے آپ کہتے ہیں ؎

آئین نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

نئی صدی میں شاعر مشرق کی معنویت

(از پروفیسر بشیر احمد نحوی شعبۂ اقبالیات کشمیر یونیورسٹی)

عہد جدید اپنی تمام تر مادی اور سائنسی ترقی کے ساتھ آگے کی جانب گامزن ہے۔انسانی فکر اور سائنسی علوم میں وسعت،پھیلاو،کشش اور قوت میں سرعت کے ساتھ اضافہ ہوتا جارہا ہے اور انسان سورج کی شعاعوں اور فضائے بسیط کی گزرگاہوں سے آگے نئی منزلوں اور نئے راستوں کی تلاش میں سرگرم ہے مریخ ومشتری بستیاں آباد کرنے اور خدا کی پہنائیوں میں خیاباں وگلستاں سجانے کے منصوبے انسان کے ذہن میں متشکل ہورہے ہیں،اور ایسا محسوس ہورہا ہے کہ آنے والے سال انسانی تخلیقات کے اعتبار سے حیران کن بھی ہونگے اور اطمینان بخش بھی۔لیکن اس ہمہ گیر ترقی اور زبردست پیش رفت کے باوجود انسان کو ہر زمانے میں روحانی اقدار اور اخلاقی تربیت کی ضرورت ہے۔یہ تربیت سائنس کی تجربہ گاہوں اور علوم جدیدہ کی دانشگاہوں میں آج مفقود بھی ہے اور آئندہ بھی اس کے موجود ہونے کے بہت کم امکانات نظر آتے ہیں۔جدید علمی مراکز انسان کو عصری علم کی باریکیوں اور دانشوری کی نزاکتوں سے بہرہ ور تو کرتے ہیں،لیکن ساتھ ہی ساتھ اسے انسانیت کے ارفع مقام سے گرا کر حیوانوں کی صف میں اور سفلی جذبات کی رو میں بہا کرلے جاتے ہیں ؎

علم اگر کج فطرت وبدگوہر است☆ پیشِ چشم حجابِ اکبر است (اقبالؒ)

گذشتہ صدی نے اردو اور فارسی شاعری میں چند بہت ہی اچھے شعراء کو جنم دیا،جنکی طاقت ورفکر نے شاعری کا رخ ہی پلٹ دیا اور شعر کے بارے میں روایتی نقطہ نظر کلی طور بدل کررہ گیا۔گذشتہ صدی کی انہی توانا شعری آوازوں میں اقبال کی آواز سب سے موثر اور طاقتور ثابت ہوئی۔ان کے کلام میں متنوع دھارے ملتے ہیں۔جن میں قومی نظموں کا ابتدائی دور بھی ہے اور فطرت کے مظاہر سے بے پناہ خواہش کا اظہار بھی۔انگریزی ادب کے اثرات اور المانوی ثقافت کی جھلکیاں بھی۔تاہم شعری سفر کی ابتدا میں ہی مذہبی حیسیت کی لہریں شعری آگہی کی سطح پر آسانی سے دیکھی جاسکتی ہیں۔شعر وادب میں یہ مسئلہ کافی اہمیت رکھتا ہے کہ فن کی سطح پر کس طرح عرفان ذات،انسان اور کائنات کے مسائل کو پیش کیا جائے۔جدید شاعری میں تخلیق کار کی

وابستگی۔ترسیل کی ناکامی اور بیانات کے اکہرے اور دوسرے گوشوں پر گفتگو ہوتی رہتی ہے۔لیکن موجودہ عہد کے ناقدوں کے ایک بڑے گروہ کا یہ اصرار کہ شاعری کو صرف علامتوں ہی کے ذریعے برتا جائے شعر کے مختلف رنگ وروپ سے صرف نظر کرنے کے برابر ہے۔

اقبال کے فکری سفر کا محور جہانِ نو کی تلاش۔ان کے خیال میں زمانے کے دامن میں تغیر وتبدل کو ثبات حاصل ہے۔ان کا نقطہ ٔنظر احیاپرستی کا ترجمان نہیں بلکہ تازہ بستیوں کے احساس کا داعی ونقیب ہے ؎

کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد☆ مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد

اقبال نے قصہ ٔ قدیم وجدید کے فرق کو احسن طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی ہے اور اس پر ایک مخصوص انداز سے نکتہ چینی کی ہے،انہوں نے تصور خودی کے ذریعے ایک فعال شخصیت کا خواب دیکھا۔اقبال کی تخلیقی فکر محدود نہیں ہوجاتی ہے بلکہ وہ وسیع تر سطح پر ہر مکتبہ ٔفکر کے لئے سرچشمہ ٔتحریک رہتی ہے۔اقبال کی فکر کے مقابلے میں سرسید کی تحریک کا دائرہ کار محدود رہا ہے۔سرسید کی فکر ہندوستان تک محدود ہوکر رہ گئی۔جبکہ اقبال کے افکار میں عالمگیریت،آفاقیت اور وسعت دکھائی دیتی ہے۔فیض احمد فیض اس کے دور کے بہت بڑے شاعر ہیں۔وہ منظوم خراجِ عقیدت جب اقبال کے حضور میں پیش کرتے ہیں،تو وہ اقبالؒ کو ایک ”خوش نوا فقیر“اور اس کے گیت کو دلوں میں اترنے والا اور اثر انداز ہونے والا قرار دیتے ہیں۔لیکن فیض نے اپنے نثری خراجِ عقیدت میں بہت ہی عمدہ باتیں اور حقیقتیں بیان کی ہیں:

”بہت سی باتیں جن میں محض وہم وگمان کے بل بوتے پر لوگ سلوگنز (Slogans) کے طور پر استعمال کیا کرتے تھے۔اقبال نے ان کے سوچنے کا،غور کرنے کا،مشاہدہ کرنے کا،مطالعہ کرنے کا،تجزیہ کرنے کا،استنباط کرنے کا اور سارے ذہنی پروسس(Process) سے گذر جانے کا ڈھب سکھایا۔صرف خواص کو ہی نہیں بلکہ عوام کو بھی۔اقبال نے لوگوں کے ذہن کو ان اثرات سے ایک حد تک آزاد کرنے میں امداد دی جو غلامی کے سبب پیدا ہوگئے تھے۔ان کا آخری دور جو اِن کی پختگی کا دور ہے،جبکہ وہ انسانیت اور جملہ کائنات کے بارے میں اپنے افکار کا اظہار کرتے ہیں۔آفاقی طریقہ سے سوچنے کا سلیقہ ہمارے ہاں اقبال نے پیدا کیا۔ہمارے ہاں اس سے پہلے شعر یا تو تفریحی چیز سمجھی جاتی تھی یا غنائیہ سی چیز تصور کی جاتی تھی۔شعر میں فکر اور شعر میں حکمت اور شعر میں عظمتیں جن کو ہم شاعروں سے نہیں،فلاسفروں سے متعلق کرتے ہیں وہ محض اقبال کی وجہ سے ہمارے یہاں پیدا ہوئی ہیں۔اقبال کی مثال ہمارے ہاں ایک ندی یا ایک نہر کی سی نہیں ہے جو کہ ایک ہی سمت میں جاری ہو بلکہ ان کی مثال تو ایک سمندر کی سی ہے جو چاروں طرف محیط ہے۔“

موجودہ عہد جس کی تیز تر مادی اور مشینی ترقی کا ابتدائی سطور میں ذکر ہوا ہے اس عہد یا اس صدی میں اقبال کے انسانی اور آفاقی فکر کی افادیت اور معنویت کیا ہے۔تو اس سلسلے میں پہلی بات واضح رہے کہ اقبال

کے افکار کلی طور ان کے اپنے نہیں ہیں،بلکہ ان کا حقیقی منبع وہ عظیم آسمانی،روحانی اور قرآنی تعلیمات ہیں جن کا وہ بار بار مختلف پیرایوں میں برملا اظہار کرتے ہیں،وہ اپنے دل کی آواز اور ضمیر کی خلوتوں میں ابھرنے والے جذبے کو چھپاتے نہیں بلکہ دوٹوک لفظوں میں وضاحت کرتے ہیں کہ قرآن کے بغیر ان کا فکر،شعر،فہم اور حرف بے معنی ہے۔وہ اللہ کے اس آخری پیغام کی روشنی میں انسانی دنیا کے مسائل ومصائب کا حل ڈھونڈنے اور انسانی قدروں کی بالادستی کے لئے انسانیت کے خیر خواہوں کے افکار سے خوشہ چینی کرتے ہیں۔اقبال کے فکر کا دوسرا اہم سرچشمہ سیرت نبوی ﷺ ہے جس کی شفافیت اور صلاحیت کا اعتراف ہر مسلم وغیر مسلم کو ہے۔اقبال اپنے فکر کو اسی سرچشمہ ٔ ہدایت سے فیض یاب کرکے دنیا پر اس کی عنایتوں،برکتوں،اور نوازشوں کا شاعرانہ اور فلسفیانہ دونوں حیثیتوں میں ذکر کرتے ہیں۔اور موجودہ عہد پر یہ بات علی الاعلان واضح کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ سے وفاداری ایمان کی علامت اور لوح وقلم پر گرفت حاصل کرنے کی شرط ہے ؎

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں☆ یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

می توانی منکر یزداں شدن ☆ منکر از شانِ نبیؐ نتواں شدن

موجودہ زمانے نے بہت سارے نظریات دنیا کے سامنے پیش کئے ہیں۔اقتصادی،سماجی،معاشی اور سیاسی فلاح وصلاح کے نئے نئے نقطہ ہائے نظر اور مکاتب فکر اپنے مثبت اور منفی رویوں کے ساتھ پیش ہورہے ہیں۔مگر تجربہ بتا رہا ہے کہ اپنی کجروی،بد گوہری،بے ضمیری اور ہوس رانی کے نتیجے میں یہ نظریات وقت کی رفتار کے ساتھ اپنی معنویت کھوتے رہے۔ان کا کھوکھلا پن،روس،البانیہ،چیکوسلواکیہ،پولینڈ،ہنگری اور دیگر ممالک میں لوگوں کے سامنے اپنی اصل صورت میں آگیا اور اقبال کے نزدیک روس اور امریکہ انسانی زندگی کو خروج اور خراج کے بغیر کچھ دینے سے قاصر رہے اور انسان ان دو پتھروں (ملکوں) کے درمیان شیشے کی مانند چکنا چور ہوتا دکھائی دے رہا ہے ؎

زندگی ایں را خروج آں را خراج ☆ درمیانِ ایں دو سنگ آدم زجاج

انسانی دنیا اس وقت بچشمِ خود امریکہ کی صیہونی اور سامراجی ذہنیت کا نظارہ کررہی ہے۔توسیع پسندی اور جارحیت کے نشے میں افغانستان،عراق،شام اور ایران کے ساتھ امریکی جارحیت اپنے عروج پر آپہنچی ہے اور دیگر اقوام کو امریکہ اور اس کے حلیف تر نوالہ سمجھ کر ہڑپ کرنے اور پامال کرنے کے سارے منصوبے ترتیب دے چکے ہیں۔اقبال کے خیال میں کفر ایک متحدہ قوت اور وفاق بن کر مسلم تہذیب اور ثقافت کو ختم کرنے میں اپنی عافیت وصیانت محسوس کرتا ہے اور اس کرب ناک صورتحال میں

فکر اقبال یک جہتی اور مسلم برداری میں یک رنگی ویکسوئی کی تحریک دیتے ہوئے یہ عالمگیر ملی پیغام سناتا ہے ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے ☆ نیل کے ساحل سے لےتابخاک سمرقند

یا

زمانہ کہنہ بتاں راہزار بار آراست ☆ من زحرم نہ گذشتم کہ پختہ بنیاد است

فکر اقبال ایک ایسا اتھاہ سمندر ہے، اسکی گیرائی میں شعور، علم، تجربہ، دردمندی اور سوز و گداز کے ان گنت خزانے ہیں۔ جب بھی ایک سنجیدہ قاری اس سمندر میں غوطہ خوری کرتا ہے تو نئے گہر، اور نئے صدف اس کے ہاتھ آتے ہیں۔ یہ وہ بحر ناپیدا کنار ہے جس میں صدیوں کے وسیع مدت پر پھیلے ہوئے مدوجزر ہیں، تلاطم و امواج کا ارتفاع ہے۔ کلام اقبال کو بنظر غائر پڑھ کے کبھی کبھار یہ احساس ہوتا ہے کہ ایک شخص جو اپنی ذات میں ایک انجمن تھا، حیات و کائنات کے کتنے سربستہ رازوں کا ہمیں شریک بناتا ہے۔ فلسفہ کی سطح پر اقدار کی گفتگو ہے کلام کے توسط سے جذبات کی ایک بسیط فضا رقصاں ہے مکاتیب اور شذرات کے تناظر میں جزئیات کے دفتر ہیں اور پھر شعر کو بہانہ بنا کر ناقہ بے زمام کو منزل مقصود تک لے جانے کی ایک مسلسل تڑپ ہے ؎

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست ☆ سوئے قطار می کشم ناقہ بے زمام را

بیسویں صدی میں ابھرنے والی اقبالؒ کی متحرک، توانا اور تابندہ فکری شخصیت اکیسویں صدی کے پر آشوب عالمی منظر نامے میں زبردست معنویت رکھتی ہے، یہ شخصیت اور یہ فکری وجود موجودہ صدی کو سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی بالادستی اور اقوام عالم پر ظلم و تعدی حق تلفی اور ناانصافی کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہوئے انسانی اخوت، احترام آدمیت، متوازن تقسیم دولت، تزکیہ قلب و ذہن اور ارتفاع اقدار کے عظیم اصولوں کی ترجمانی کا خوشگوار فریضہ انجام دیتا ہے۔ ان کا فکر محکوم و مظلوم بالخصوص محنت کش طبقہ سے وابستہ لوگوں کو جھنجوڑتا ہے اور انہیں ساحر الموط کے دئے برگ حشیش کو ترک کر کے اپنی خودی کی شناخت اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی ترغیب دیتا ہے ؎

اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے ☆ مشرق و مغرب میں تیرے دور کا انداز ہے

گذشتہ سے پیوستہ

شرعی اور فقہی اصطلاحات کی وضاحت سوال و جواب کی روشنی میں

از عاصی غلام نبی وانی (ایم۔اے عربی۔فارسی کشمیر یونیورسٹی)

(سوال) کیا اس علم کو علم کلام کہنے کی اور بھی کوئی وجہ ہے؟

(جواب) اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس علم کی بنیاد اکثر عقلی اور نقلی دلائل پر ہے لہٰذا اس سے مخالف کے دل میں بڑی تاثیر ہوتی ہے۔ بخلاف ان علوم کے جن کی بنیاد صرف عقلی دلیل پر ہو یا صرف نقلی دلیل پر ہو۔ لفظ کلام کلم سے مُشتق (وہ لفظ جو کسی دوسرے لفظ سے بنایا گیا ہو) ہے جس کے معنیٰ ڈکشنری (**Dictionary**) میں زخم کرنے ہیں۔ چونکہ یہ علم مخالف کے دل میں اپنی زبردست تاثیر کے سبب زخم کرتا ہے اس لئے اس کو کلام کہنے لگے ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ اس علم میں کلام الٰہی کی زیادہ تحقیق ہے اس لئے اس کو کلام کہنے لگے۔ علاوہ اس کے ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جس طرح یونان کے حکماء (**Philosophers**) نے علم منطق کو مرتب کیا جس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ مخالف کو رد اور کمزور کرنے کے لئے نطق یعنی زبان میں بولنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے اسی کے مقابلہ میں حکمائے اسلام (**Muslim Philosophers**) نے مخالفوں کو رد کرنے کے واسطے اس علم کو مرتب کیا کیونکہ اس کی بدولت مخالف کے سامنے کلام کرنے کی قدرت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس طرح علم منطق سے نطق یعنی زبان کو قوت ملتی ہے اسی طرح یہ علم آدمی کو کلام کرنے پر قادر بنا دیتا ہے لہٰذا اس کو علم کلام کہنے لگے۔

(سوال) دین میں اس علم کا کیا مقام ہے؟

(جواب) یہ علم تمام دینی علوم سے افضل و اشرف ہے کیونکہ اس میں عقائد دینی کا ذکر ہے۔

(سوال) عقیدہ اور عبادت کا آپس میں کیا تعلق ہے؟

(جواب) عقیدہ اور عبادت کا آپس میں بہت ہی قریبی تعلق ہے۔ عبادت کا دارومدار عقیدے کی دُرستی پر ہے۔ اگر عقیدہ خراب ہے تو کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ تمام علوم کی بنیاد عقائد پر ہی ہے۔ کیونکہ اس علم میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور نبوت وغیرہ چیزوں کا ثبوت ہے جن پر تمام دینی علوم کا دارومدار ہے۔

(سوال) ہر مسلمان کو سب سے پہلے کون سا علم حاصل کرنا چاہئے؟

(جواب) ہر مسلمان کو سب سے پہلے یہی علم حاصل کرنا چاہیئے تا کہ اس کے عقائد درست ہو جائیں اور اس کی عبادت خدا کے دربار میں قبول ہو جائے۔

(سوال) اس علم کلام یا علم عقائد کا سب سے بڑا فائدہ کیا ہے؟

(جواب) اس علم کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایک مسلمان جنتُ الفردوس یعنی بہشت کے اعلیٰ طبقہ میں ہمیشہ کے لئے آرام پائے اور دوزخ کے سخت عذابوں سے بچ جائے جو اسی عقیدے کے بگاڑ کی وجہ سے دئے جائیں گے۔

(سوال) اس علم عقائد میں سنی مسلمانوں کا امام کون ہے؟

(جواب) علم عقائد میں سنی مسلمانوں کے دو بڑے امام گذرے ہیں جن میں سے ایک کا نام ابو منصور ماتریدیؒ ہے اور دوسرے کا نام ابوحسن اشعریؒ ہے۔

(سوال) امام کسے کہتے ہیں؟

(جواب) امام دینی پیشوا کو کہتے ہیں اگرچہ پانچ وقت کی نماز میں پیشوا بننے والے کو بھی امام کہتے ہیں لیکن اصطلاحی یعنی علماء کے علمی یا فنی معنی میں اس بڑے عالم و فاضل شخص کو کہتے ہیں جس کے علم و فضل کو امت کے بڑے بڑے علماء اور محقق **(ResearhScholar)** تسلیم کریں۔

(سوال) جب ابو منصور ماتریدیؒ اور ابوحسن اشعریؒ ایسے بڑے امام گذرے ہیں پھر عام مسلمانوں کو ان کا تعارف کیوں نہیں ہے؟

(جواب) جب کوئی قوم علم میں دیوالیا بن جاتی ہے تو وہ اپنے اسلاف کو بھول ڈالتی ہے۔ اپنے بزرگوں کی میراث گنوا بیٹھتی ہے گویا آسمان اُن کو ثُریّا سے زمین پر گرا دیتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اسی صورت حال کو مدنظر رکھ کر یہ شعر کہا ہے

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی ☆ ثُریّا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا

(سوال) ثُریّا کس کو کہتے ہیں؟

(جواب) ثُریّا ان چھ ستاروں کو کہتے ہیں جو آسمان پر باہم متصل ہیں۔

(سوال) ابو منصور ماتریدی کا اصل نام کیا ہے اور اس کو ابو منصور کیوں کہا جاتا ہے؟

(جواب) ابو منصور تو اس بزرگ کی کنیت **(Faimly name)** ہے اصل میں اس کا نام محمد بن محمد بن محمود ماتریدیؒ تھا۔

(سوال) ماترید کا کیا مطلب ہے؟

(جواب) ماترید ایک گاؤں کا نام ہے جو شہر سمرقند کے قریب واقع ہے چونکہ یہ بزرگ اسی گاؤں

کے رہنے والے تھے لہٰذا ان کو ماتریدی کہا جاتا ہے۔ جس طرح ہمارے یہاں لوگ عام طور پر اکبر شاعر کو اکبر الٰہ آبادی کہتے ہیں۔

(سوال) یہ بزرگ کب پیدا ہوئے اور کب اس دنیا سے تشریف لے چلے؟

(جواب) پیدائش کے متعلق تو تفصیل معلوم نہیں ہے البتہ ان کی وفات ۳۳۳ھ ھجری میں ہوئی ہے جس سے ان کے زمانے کا تعین ہو جاتا ہے۔

(سوال) عام طور پر سنی مسلمان جن چار مذاھب کے فقہ کے مطابق عمل کرتے ہیں یہ بزرگ کس مذہب یا امام صاحب کے پیرو ہیں؟

(جواب) یہ بزرگ امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ ان کے اور امام ابوحنیفہ کے درمیاں تین واسطے ہیں۔

(سوال) کیا تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں ان کے کچھ اوراوصاف بیان ہوئے ہیں؟

(جواب) انوار الباری کتاب میں لکھا ہے کہ یہ بڑے محقق، مدقق **(Investigator)** متکلم **(Scholastic Philosopher)** امام **(Religious leader)** بڑے عابد، زاہد **(Devotee)** صاحب کرامت **(A person having supernatural power)** تھے۔

(سوال) کیا اس بزرگ نے کوئی کتاب لکھی ہے؟

(جواب) اس صاحب کرامت بزرگ نے اعلیٰ مرتبہ کی کتابیں لکھی ہیں مثلاً کتاب التوحید، کتاب المقالات، اور اسی طرح کی کئی اور بے نظیر کتابیں۔ خدا ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔

(سوال) کیا ان کی کوئی کرامت کتابوں میں بیان ہوئی ہے؟

(جواب) آپ کا ایک باغ تھا جس میں خود کام کرتے تھے اپنے مہمانوں کو باغ میں سے بے موسم پھل کھلاتے تھے۔ لوگوں نے حیرت کی تو فرمایا کہ میں نے اپنے دائیں ہاتھ سے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اس لئے جو چیز اس کے ذریعہ سے چاہتا ہوں وہ حاصل ہو جاتی ہے۔

(سوال) کیا اسی طرح کی اور کوئی کرامت بھی ان سے سرزد ہوئی ہے؟

(جواب) جی ہاں! لوگوں نے بادشاہ کے مظالم سے تنگ آ کر آپ سے شکایت کی تو گھاس سے کمان اور تنکے سے تیر بنا کر اس ظالم بادشاہ کی طرف پھینکا۔ معلوم ہوا کہ اسی تاریخ میں قتل کیا گیا۔

گزشتہ سے پیوست

بزرگان دین سے محبت اور استفادے کا شرعی طریقہ

از ڈاکٹر نذیر احمد زرگر صاحب (پی۔ایچ۔ڈی اسلامیات کشمیر یونیورسٹی)

پہلے یہ ملت ہر طرح کے مصائب و آلام میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتی تھی اور صرف اسی سے اپنی مشکلات کا حل طلب کرتی تھی۔ بعد میں جب اسلام نے غیر اقوام کو فتح کیا تو چونکہ نو مسلم اقوام و ملل کی اسلامی تعلیم و تربیت ایک جہد مسلسل ہے اور لازماً تدریج کی متقاضی۔ اس لئے اس تاریخی عمل کے دوران اجنبی قوموں کے رسوم و عادات کا بہت مدت تک انکے طرز زندگی میں پایا جانا امر حقیقی و بدیہی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اسلام جب عجم میں آیا تو عرب کی سادگی، جفاکشی اور اطاعت و انقیاد، فلسفیانہ موشگافی، عیش کوشی فرار و بے علمی میں بدل گئی، طرح طرح کے غیر اسلامی نظریات کے درآنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے اعمال بھی غیروں کے رنگ میں رنگتے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہر دور میں مجددین و مصلحین نے دین کی تجدید کا کام کیا اور دین کو اس کی اصل حالت پر از سر نو لایا۔

اللہ تعالیٰ کی محبت اور رسول اللہ ﷺ کی بے پناہ عقیدت اور آپ ﷺ کی ذات اقدس کی طرف عام مسلمانوں کی مقناطیسی کشش امت مسلمہ کی امتیازی خصوصیات میں سے ہیں اور ایسا ہونا بھی چاہئے کہ اس محبت الٰہی اور حب نبی ﷺ کے بغیر ایمان کی کوئی حقیقت نہیں اس محبت و تعلق کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جن خوش بخت و خوش نصیب بندگانِ خدا کو اس محبت و اطاعت میں سے کچھ حصہ ملا وہ مسلمانوں کی محبتوں اور عقیدتوں کا مرکز بنے۔ ایسا ہونا بھی بدیہی ہے کہ محبوب کا حبیب بھی محبوب بن جاتا ہے ۔اللہ تعالیٰ کے ولیوں اور رسول اللہ ﷺ کے جان نثاروں کی محبت بھی ایمان کی علامت ہے۔ اسکے باوجود جس طرح دنیا دار الاسباب کا یہ دستور ہے کہ ہر فائدہ مند اور لازم و ضروری چیز کا فائدہ صرف اسی وقت تک انسان کو حاصل ہوتا ہے جب تک کہ وہ اس چیز کو ایک خاص حد تک استعمال کرتا ہے اسی طرح مخلوق سے تعلق کے فوائد بھی اپنی حد بندی کے پابند ہیں۔ جیسے والدین سے محبت ایمان کا لازمی خاصہ ہے اور والدین کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور شدید وعید کا سبب۔ مگر اس محبت کی حد بندی خود اسی احکم الحاکمین کی طرف سے وارد ہوئی ہے جس نے اس محبت و تکریم کا حکم فرمایا ہے۔ قرآنِ کریم کی تعلیمات اس ضمن میں کتنی چشم کشا ہے ملاحضہ فرمایئے:

وَ وَصَّیْنا الانسانَ بوَالِدیْہِ حسناً ط و اِنْ جَاھَداکَ لِتشْرِکَ بِی مَا لَیْسَ لکَ بِہٖ علمٌ فَلا تُطِعْھُمَا ط

(ترجمہ) ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے۔ لیکن اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسے (معبود) کو شریک ٹھہرائے جسے تو (میرے شریک کی حیثیت سے) نہیں جانتا تو ان کی اطاعت نہ کر۔

یہی مضمون سورہ لقمان آیت نمبر ۱۵ میں بھی وارد ہوا ہے۔ گویا فرمانِ الٰہی یہ ہے کہ والدین کی اطاعت اپنی جگہ مگر جب اس اطاعت کے حدود اتنے وسیع ہونے لگیں کہ اللہ تعالیٰ کا حق ضائع ہونے لگے تو یہ اطاعت حرام ٹھہرتی ہے۔ یہ اعتدال خود قرآنی تعلیمات میں ہے اور یہی اعتدال مطلوب ہے مومنوں کے طرز عمل سے اور اس میں ذرا سی بھی افراط و تفریط جادۂ حق سے انحراف ہے جس کا نتیجہ وصول الی اللہ جسکا ایک مضبوط ذریعہ حب اولیاء اللہ بھی ہے کے بجائے غضب الٰہی کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا (حفظ اللہ منہُ) اس نقطے پر پہنچ کر ہماری دعائیں قبول نہیں، رد کر دی جائینگی۔ ہم باہمی منافرت اور منافقت کے شکار ہو جائیں گے۔

دوسری وجہ اس رسالے کے لکھنے کی یہ ہے کہ جدید دور کے ذہن کی اپچ ہی عجیب ہے۔ عقل معیار اعلیٰ تصور کی جاتی ہے۔ سائنسی نظریات اور کلیات کو حق کے پرکھنے کے واسطے حتمی کسوٹی خیال کیا گیا ہے۔ لاجک (Logic) اور عقلی دلائل کو برہانِ قاطع مان کر روحانیت اور غیبیات کا انکار کیا جاتا ہے۔

ایسی حالت میں راقم کا یہ تجربہ ہے کہ جن لوگوں نے اس طرح کی مادی سوچ کی بنیاد پر خدا اور مذہبی حقائق کا انکار کیا ہے انکے دلوں کی زمین کو صرف اللہ کے نیک بندوں کی محبت نے کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔

راقم نے خود اللہ کی ذات کا اور آخرت و جزا و سزا کا اور قرآن کا انکار کرنے والے کئی جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کے ساتھ طویل طویل گفتگو کی ہے۔ عقلی و نقلی دلائل بھی جہاں کام نہیں آئے وہاں کسی اللہ کے مخلص بندے کی نگاہ سے کرامت صادر ہوئی۔ ایک دفعہ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے ایک طالب علم سے گفتگو ہوئی جو دین کی تمام باتوں کا عزم مصمم کے ساتھ انکار کر رہا تھا۔ دورانِ گفتگو راقم نے مُسکت دلائل پیش کیے۔ وہ نوجوان کئی موقعوں پر خاموش تو ہو گیا۔ راقم کے استدلالات کی داد بھی دیتا رہا مگر حیرت کی

بات ہے کہ اس کا دل جوں کا توں تشکیک وتذبذب میں ڈوبا رہا۔مگر اللہ کا کرم! تماشا دیکھئے کہ یہی نوجوان دورانِ گفتگو کہتا ہے کہ ہاں جب میں انٹرنیٹ پر فلاں ربانی عالم کا چہرہ دیکھتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ شاید خدا ہے۔

خود اس ناکارہ کا ذاتی تجربہ ہے کہ جن موقعوں پر کتابوں سے تشفی نہیں ملتی تھی ان موقعوں پر اللہ تعالیٰ کے کسی برگزیدہ بندے کی صحبت بلکہ تھوڑی دیر انکے چہرے کو دیکھنا ہی باعث تشفی ثابت ہوتا تھا۔جبھی تو سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سرورِ کونین ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھتے رہنا بہت زیادہ محبوب تھا۔

بزرگانِ دین کی محبت سے جہاں کچھ لوگ محروم ہیں وہیں کچھ حضرات نے اولیاء اللہ کی غیر اسلامی محبت کو اپنا طرۂ امتیاز ٹھہرا یا ہے اور اس زعم میں اپنے کو خوش اعتقاد بتلا کر باقی تمام مسلمانوں کو جادۂ حق سے منحرف اور اعتقادِ بد میں مبتلا جتلا کر اپنے ہی بھائیوں سے نفرت وعداوت کو روا رکھے ہے

ایسی حالت میں حق کی پردہ کشائی فرض بنتی ہے۔چونکہ برصغیر میں مسلمانوں کی بڑی اکثریت حنفی المسلک ہے اسلئے جب قرآن وسنت اور کتبِ حنفیہ کا کوئی طالب علم مساجد اور زیارت گاہوں پر ہونے والے مختلف غیر شرعی اعمال کی نشاندہی کرتا ہے تو اسے یہ کہہ کر منحوس گردانا جاتا ہے کہ جناب ہم حنفی ہیں اور آپ وہابی یا کچھ اور!!!

اس رسالے میں جو کچھ بھی لکھا گیا ہے صرف حنفی مسلک کی کتابوں کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے تا کہ حجت تمام ہو جائے اور یہ کہنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے کہ ہم حنفی ہیں اور حنفی مسلک چونکہ حق ہے اس لئے ہم اس کی طرف منسوب کر کے جو کچھ بھی کریں وہ بھی حق ہے۔

دوسری طرف کچھ حضرات اس طرح کے بھی وجود میں آگئے ہیں جو حنفی مسلک سے بے خبر مسلمانوں کی بدعات وخرافات کو دیکھ کر نہ صرف حنفی مسلک کو نشانہ بناتے ہیں بلکہ ائمۂ احناف کے خلاف بھی بے ادبی، بدظنی اور بدکلامی کے گھناؤنے جرم میں ملوث ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے ہمارے پیش نظر کسی کی دل آزاری ہے اور نہ ہی کسی مکتب فکر کی طرفداری بلکہ جو بات جس طرح ہے اسی طرح بے کم وکاست پیش کرنے کے جذبے کے ساتھ یہ دعا ہے کہ رب کریم اپنے لطف وکرم سے ہم سب کو حق کی پہچان دے اور حق پر چلنے کی توفیق اور ہمت عطا کرے آمین **(جاری)**

”درس مثنوی“

﴿قارئین کے لئے ایک خوش خبری﴾

راہ نجات کے مارچ کے شمارے میں ہم نے قارئینِ کرام کی خدمت میں ”ایک ضروری اطلاع“ کے تحت معذرت پیش کی تھی کہ مارچ کا یہ شمارہ حضرت مولانا جلال الدین رومی کی تعلیمات کا جیسا کہ حق تھا احاطہ نہ کرسکا۔اور اس عالمی شہرت یافتہ کتاب کا جو حق ہے وہ ہم سے ادا نہ ہو سکا لہٰذا اس کتاب میں جو لعل و جواہر چھپے ہوئے ہیں ان کو منظر عام پر لانا اس رسالہ کے ذمہ ایک قرض ہے۔اب چند اہل دل حضرات کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد ہمارے اس چھوٹے موٹے ادارہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ رسالہ راہ نجات ہر شمارہ میں درسِ مثنوی کے عنوان کے تحت چند صفحات وقف کرے گا امید ہے کہ ایسا کر کے اللہ اس رسالہ کو اپنی مقبولیت سے نوازے گا۔یہ ہمارا کوئی تفریحی مشغلہ نہیں ہوگا بلکہ اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ امت کے نوجوان صحیح راستہ پر لگ جاویں جو ہمارا ایک قیمتی سرمایہ ہیں۔علامہ اقبالؒ بھی نوجوانوں کے متعلق بڑے فکر مند تھے۔ان کا شعر ہے کہ

نوجوانے را چوں بینم بے ادب ☆ روزِ من تاریک گردد ہمچو شب

(ترجمہ) جب میں کسی نوجوان کو بے ادب پاتا ہوں تو میرے دن میں رات کی طرح تاریکی چھا جاتی ہے

مولانا رومیؒ ۵ جمادی الاخرای ۶۷۲ھ میں اس دنیا سے تشریف لے چلے۔یہ تاریخ سنہ عیسوی کے اعتبار سے اس سال مارچ میں آگئی۔اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے اپنی طرف سے خراجِ عقیدت پیش کرنے کے سلسلے میں پورا رسالہ پیر رومی کے نام سے شائع کیا۔اس کے بعد اپریل کا مہینہ آنے والا تھا تو ہم نے محض اللہ کو خوش کرنے کے لئے مرید ہندی کے نام سے اپریل کا شمارہ شائع کرنے کا عزم کرلیا۔علامہ اقبالؒ نے سراقبال کے بجائے اپنے آپ کو مرید ہندی کے نام سے کلیات اقبال میں پیش کیا ہے۔اگر چہ مولانا رومؒ اور علامہ اقبال کے زمانے میں سینکڑوں برس کا فاصلہ ہے لیکن علامہ اقبال نے جا بجا اعتراف کیا ہے کہ انہیں جو کچھ بھی حاصل ہوا ہے وہ صحبت پیر روم سے ہی حاصل ہوا ہے اور وہ روحانی اعتبار سے ان کے مرید بن گئے۔کیونکہ علم نہ پرانا ہوتا ہے اور نہ کوئی زمانہ اس کی حقیقت پر اثر انداز ہوتا ہے بلکہ حقیقی علوم میں وہ قوت ہوتی ہے کہ وہ ہر زمانہ کا رخ صحیح سمت میں موڑنے پر قادر ہوتے ہیں۔بشرطیکہ اس کو سچے طلبگار مل جاویں۔یہاں ایک بات کا بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ اجتہاد کا دروازہ اگر چہ قیامت تک بند نہ ہوگا لیکن جو اجتہادی صلاحیتیں ہمارے اسلاف میں تھیں ہم

ان سے عاری ہیں۔ جس کی خاص وجہ یہ ہے کہ دنیا اس وقت جس شور شرابے میں پھنس چکی ہے اس میں ذہن کی یکسوئی کے ساتھ کچھ سوچنا بھی مشکل تر بن گیا ہے۔ علامہ اقبالؒ کا شعر ہے۔

زاجتہادِ عالمانِ کم نظر ☆ اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر (اقبالؒ)

کم نظر عالموں کے اجتہاد پر عمل کرنے سے اسلاف کی تقلید کرنا بہتر ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ دورِ انحطاط ہے اور مسلمانوں کی اس موجودہ پستی کے ماحول میں ناقص اجتہاد پر عمل کرنے سے قوم کی حالت درہم برہم ہونے کا احتمال ہے ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے ارادہ کیا ہے کہ ہم پیر رومی کی تعلیم کو عام کرنے کے لئے ''درسِ مثنوی'' عنوان کے تحت راہِ نجات کے چند صفحات وقف کریں گے۔ ایسا کرنے سے ہمیں امید ہے کہ اللہ اس رسالے کو شرف قبولیت سے نوازے گا۔ آج کل بہت واویلا کیا جا رہا ہے کہ اخلاقی تعلیم ختم ہوگئی۔ یہ ایک حقیقت ہے لیکن صرف کف افسوس ملنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا اس کے لئے مسلمانوں کو صحیح سمت میں قدم اٹھا کر خود ہی اس تعلیم کو عام کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ کسی سرکار کی تشریف آوری کے انتظار میں اس کام کو ترک کرنا خوش فہمی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ سچے مسلمانوں نے جب بھی کوئی کارنامہ انجام دیا ہے وہ صرف سچی طلب اور سچی کارکردگی سے ہی انجام دیا ہے۔ انہی حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے ''راہِ نجات'' کے آنے والے شماروں میں ''درسِ مثنوی'' کو خاص جگہ دی جائے گی۔ اس میں یہ بات بھی مدنظر رکھی گئی ہے کہ ہمارا موجودہ انگریزی دان طبقہ اب چونکہ فارسی زبان سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا ہے اب ان فارسی علوم کو اردو زبان میں منتقل کر کے اور فارسی کے ذوق کو پھر سے جلا بخشنے کے لئے اس زبان کے چیدہ چیدہ اشعار کو بھی منظر عام پر لایا جائے تا کہ طالبِ علم ان کو خود سمجھ کر دوسروں کو سمجھانے کی تحریک چلائیں۔ خدا کرے کہ ہماری یہ کوشش بارآور (fruitful) ہو جائے۔

مدیر

آپکے مکتوبات بنامِ راہِ نجات

محترم المقام حاجی غلام نبی وانی صاحب عاصیؔ سرپرست ''رسالہ راہِ نجات'' بارہمولہ

اسلام علیکم و رحمة اللہ و برکاتہٗ

امید قوی ہے کہ جناب والا کے مزاج بخیر ہوں گے۔ عرض یوں ہے کہ رسالہ راہِ نجات جنوری، فروری ۲۰۱۲ء کا مطالعہ کیا۔ کیا خوب محنت ہے۔ دین اسلام سے متعلق صحیح مواد فراہم کرنے کی اچھی خاصی کوشش ہے۔ (اہل) سنت والجماعت کا نصب العین اور حنفی مسلک کے علاوہ مذاہب اربعہ کی ترجمانی قابل داد ہے۔ حتی الامکان مزید وضاحت کی ضرورت ہے۔ تاکہ جو غلط فہمی تقلید کے بارے میں کچھ لوگوں کے دلوں میں پائی جاتی ہے دور ہو جائے۔ حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ خود بھی اپنے اسلاف کے مقلد ہیں۔ اگرچہ ان لوگوں کو اس احساس نہیں ہے۔

سوال و جواب کا جو سلسلہ جاری کیا ہے وہ بہت ہی اہم ہے اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ جوابات ثقہ ہوں اور حتمی ہوں ابہام نہ پایا جائے۔ جوابات (To the point) ہونے چاہیں تا کہ قاری شش و پنج میں مبتلا نہ ہو جائے۔

دینی رسائل اگرچہ بہت سے دینی اداروں سے شائع ہوتے ہیں۔ وہ بھی کم اہمیت نہیں رکھتے اور بڑی حد تک مسلمانوں کی دینی ضروریات کو پورا کرتے ہیں لیکن آپ کے رسالہ میں جو سمجھانے کی کوشش ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ رسالے کو مزید جاندار بنانے کی ضرورت ہے۔ فقہ کے ابتدائی مسائل وضو، نماز وغیرہ کا شایع کرنا دین کی بڑی خدمت ہے۔ کیونکہ لوگ ان مسائل سے ناواقف ہوتے ہیں۔ آپ کو اجر عظیم ہوگا۔ امید ہے ایک صفحہ اس کے لئے بھی آپ مختص رکھا کریں گے۔ باقی میں آپ کی کوشش اور جریدہ اجرا کرنے کی مبارکباد دیتا ہوں۔ ساتھ ہی منیر صاحب بھی حقدارِ مبارک ہیں۔

باقی والسلام

دعاؤں کا محتاج

عباس عفی عنہ

اونہ گام بانڈی پورہ